www.shibliacademy.org

معارف

ستمبر ۲۰۲۰ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

www.shibliacademy.org

www.shibliacademy.org

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شمارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے

دیگرممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگرممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

ہندوستان میں لائف ممبرشپ ۱۰۰۰۰/روپئے ہے۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط وکتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم ازکم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Ma'arif Section) 06386324437

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری رمینجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

www.shibliacademy.org

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۶ ماہ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ماہ ستمبر ۲۰۲۰ء عدد ۳

فہرست مضامین

شذرات ۱۶۲

محمد عمیر الصدیق ندوی

مقالات

حدیث رسولؐ اور شعر اقبال ۱۶۵

پروفیسر عبدالحق

برصغیر میں اردو کے اولین مفسر قرآن ۱۷۷

ڈاکٹر راہی فدائی

تقسیم ہند کی تاریخ نویسی کے بعض پہلوؤں پر ایک مختصر تعارفی نوٹ ۱۹۲

پروفیسر محمد سجاد

اولین عہد میں فقہ اسلامی کی تدوین اور تصنیف کتب ۲۰۱

ڈاکٹر فہیم اختر ندوی

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ایک مخلص اور مربی استاد کی حیثیت سے ۲۱۳

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن

اجتہاد در طریقت بہ حوالہ دستور السالکین ۲۲۳

محترمہ قمر النسا

اخبار علمیہ ۲۳۰

ک ص اصلاحی

وفیات

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی ۲۳۳

ع۔ص

ادبیات

نعت ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ۲۳۶

غزل جناب وارث ریاضی ۲۳۶

مطبوعات جدیدہ ۲۳۷

ع۔ص

رسید کتب موصولہ ۲۴۰

مجلس ادارت

مولانا سید محمد رابع ندوی

لکھنؤ

پروفیسر شریف حسین قاسمی

دہلی

(مرتبہ)

اشتیاق احمد ظلی

محمد عمیر الصدیق ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹

شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)

پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

www.shibliacademy.org

www.shibliacademy.org

شذرات

معارف کے اس شمارہ کے ساتھ ہم نئے ہجری سال میں داخل ہو رہے ہیں، بظاہر ماہ وسال کی یہ آمد ورفت محض ایک تکوینی نظام کا حصہ ہے مگر انسانی زندگی کا ہر تغیر وقت اور حالات کے ثبات و دوام کی ناپائیداری کا پیغام بھی ان انسانوں کو دیتا جاتا ہے جو خود کو حالات کے دھارے اور بہاؤ کے سپرد کر دیتے ہیں اور تغیر حالات کے انتظار میں خود کو فریب مسلسل میں مبتلا رکھتے ہیں، ہجرت، مہاجرت یا ہجر زمان ومکان کے معانی غیر محدود ہیں، یہ بات انی مھاجر اور ومن کانت ھجرتہ کے اشاروں سے اور واضح اور صریح ہو جاتی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ انسانی زندگی میں ہجرت صرف انتقال مکانی کا نام نہیں، یہ بہتر امکانات اور فکر وعمل میں مسلسل خوب سے خوب تر کی تلاش ہے، یہ ناسازگار آب وہوا کی جگہ سازگار ونفع بخش ماحول کی جستجو کی علامت بھی ہے، یہ مایوسیوں اور شکستوں کو امیدوں اور فتوحات میں بدلنے کا اشارہ بھی ہے، یہ ذات وہستی کے بکھراؤ کو سمیٹنے اور یکجا کرنے کی راہ بھی ہے، یہ ظلمات سے نور اور ضلالت سے رشد وہدایت کی راہوں پر گامزن ہونے کی محرک بھی ہے، یہ بے سہاروں، کمزوروں کے لیے نئے سہاروں اور نئے مددگاروں کو پانے کا بھی ذریعہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ مجبور کو مضبوط بنانے کا اور بے سروساماں کو فتح مبین کا مژدہ بھی سناتی ہے، انسانی تاریخ میں اللہ کے لیے اللہ ہی کے گھر سے بچشم نم کسی اجنبی زمین کی جانب اللہ کا نام بلند کرنے کے اس عظیم واقعہ سفر میں پوشیدہ حکمتوں اور مصلحتوں کا کوئی شمار نہیں، اور یہ سوال بھی اپنی جگہ برحق ہے کہ ہجرت نبویؐ کیا محض ایک اضطراری واقعہ ہے یا پھر یہ اللہ کی معیت، خوف وغم سے دوری اور سکینت کی عطا، ان دیکھی خدائی مدد، خدا کے نافرمانوں کے منصوبوں کی شکست ورسوائی اور خدا کی بات اور تدبیر کے غالب آنے اور غالب رہنے کا پیغام بھی رکھتی ہے، ہر محرم اپنے جلو میں نئے ہجری سال کی معنویت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تو تغیر وجمود کے فلسفہ کی جانب بھی اشارہ کرتا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مکہ مکرمہ کی فتح مبین کے بعد شرعی ہجرت کا لزوم و وجوب نہیں رہا، لیکن ہجرت کا وسیع تر مفہوم تقلید وجمود کی بیڑیوں سے آزاد ہونے اور وقت وحالات کے تقاضوں کو سمجھ کر نئے فیصلوں اور ترقی وبہبود کی راہوں کو ہموار کرنے کی اجازت ضرور دیتا ہے۔

www.shibliacademy.org

ملک بلکہ دنیا کے موجودہ حالات میں اگر کوئی قوم ہر لحاظ سے مایوسی، انحطاط، پستی و ذلت بلکہ عالمی تمسخر و شماتت کا نشانہ ہے تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کون ہے؟ لیکن یہ صرف آج ہی کی صورت حال نہیں، کئی صدیوں کی بات ہے، خصوصاً ہندوستان کی گذشتہ صدی کی تاریخ ہماری قوم کے غیر تغیر پسند رویہ کی عجب تاریخ ہے، سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا، عالمی نقشے کے خطوط اور ان کے رنگ بدلتے رہے، عزت و ذلت کی سرخیاں ادھر سے ادھر منتقل ہوتی رہیں، جو بے نام و نمود تھے وہ صاحب مملکت ہو گئے، جن کے لیے زمین تنگ تھی انہوں نے دوسروں پر ان کی اپنی ہی زمین تنگ کر دی، جو قوم افیون زدہ خوابیدگی کی تصویر تھی وہ دنیا کی سب سے طاقتور قوم شمار ہونے لگی، جس نے دنیا کو فتح کرنے کی ٹھانی خود اس کا ملک دولخت ہو گیا یعنی زمین و آسمان تو نہیں بدلے لیکن دنیا کا چہرہ ضرور کچھ کا کچھ ہو گیا، لیکن عجب معاملہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے مزاج، ذہنیت اور رویے ٹس کے ٹس رہے، ان میں ذرا بھی لچک نہیں آئی، اس خیال کی تائید کے لیے ہمارے لیے سو سال سے زیادہ کے عرصہ پر محیط معارف کی فائلیں ہیں، ۱۹۱۶ء سے اب تک کی ادارتی تحریریں دیکھیے اور ان سے روبرو ہوئیے تو یہ صفحات ایسے آئینہ میں بدل جاتے ہیں جہاں قوم اپنی تصویر کو صاف دیکھ سکتی ہے، سو سال پہلے یہی شکوہ تھا کہ علم و مذہب دونوں کے متعلق خیالات بالکل غیر معتدل ہیں، اس وقت بھی آگاہ کیا گیا کہ ایک ترقی یافتہ اور عزت کی حامل قوم بننا ہے تو قوم کی ضرورتوں کو سمجھا جائے، کسی ضرورت کو بے سود نہ کہا جائے، سو سال پہلے بھی مسلمان رہبروں اور لیڈروں کی حالت بچوں کی سی تھی، بقول حضرت سید صاحب ایک کھلونا دیکھا تو اس کے پیچھے بھاگتے ہیں، ضد کرتے ہیں، اچھلتے کودتے ہیں کہ اچانک کوئی اور چیز سامنے آجاتی ہے تو اس کی طرف لپکنے لگتے ہیں، بس لیڈری اور رہنمائی اسی کا نام ہے کہ جس کو چھوڑا وہ قیمتی متاع تھی اور جس کی طرف لپکے وہ محض ایک بیکار سی شے ہے، اس وقت بھی کہا گیا کہ مسلمانوں کے اعمال کی خوش نصیبی و بدنصیبی دونوں کا سبب ان کا وقتی اور فوری جوش ہے، اس وقت بھی یہ سوال تھا کہ ہماری ناکامی کا اصل سبب کیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ ''ہم آندھی کی طرح آتے اور بجلی کی طرح گزر جاتے ہیں''، اس وقت بھی سمجھایا گیا کہ ہم کو دریا کے اس پانی کی طرح ہونا چاہیے جو آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور برسوں میں کناروں کو کاٹ کر اپنا دہانہ وسیع کرتا جاتا ہے، تلقین تب بھی یہی تھی کہ کامیابی صرف مسلسل اور پائیدار کوشش میں ہے۔

سو سال پہلے کے الفاظ دہرائے جانے بلکہ دہراتے رہنے کی وجہ ایک تو معارف کے قوم کے

www.shibliacademy.org

تئیں نظریے کو یاد دلانا ہے، دوسرے یہ ایک ایسا آئینہ ہے جو ترقی و تنزل کے تمام خط و خال سچائی سے نمایاں کر دیتا ہے، شروع میں ہجرت کے ذکر سے یہی مقصود ہے کہ ایک صدی سے ملکی سطح پر جس ترقی اور معیار کی جانب من حیث القوم ہم کو بڑھنا تھا، ہم نے اس کی جانب کوئی قدم اٹھایا؟ آزادی کے بعد جس آئین نے زبانی ہی سہی اقلیتوں کے لیے جو حقوق و تحفظات عطا کیے تھے خود اس کے تحفظ کے لیے بحیثیت اقلیت ہماری قیادت نے دور اندیشی کا مظاہرہ بھی کیا؟ آئین کی روح کے دشمنوں کو سیاست کی درازوں اور روزنوں سے کیوں نہ پہچانا گیا؟ بچوں کی سی ضد نے آئین کو بے معنی اور بے فیض ہوتے دیکھا اور اب جب کہ آئین و دستور، قانون، حقوق سب کی روح ہی سلب کی جا رہی ہے، اس وقت ہم صرف کاغذی آہ و زاری کرنے والی ایسی جماعت بن کر رہ گئے جس پر صرف حقارت کی نظر ڈال کر اس بے حیثیتی پر قیامت کی خندہ زنی دکھائی جاتی ہے، ملک کو آزاد ہوئے ایک صدی کا قریب تین چوتھائی حصہ ہو گیا لیکن ہمارا حال وہی کہ دیکھتے سب کچھ ہیں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں، اس احساس کو غلط کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے شریعت، سیاست، تجارت، معیشت اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود اکثریت اور اس کے جذبوں اور رویوں کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کوئی ثمر آور کوشش ہی نہیں کی، شاید ہم نے وقت کے دھاروں کو اور اسی فلسفہ تغیر و ثبات کو نہیں سمجھا، شکایتیں اور فریادیں پہلے بھی تھیں اور ان کے اظہار کے کچھ موقعے بھی، لیکن اب ان شکایتوں میں الجھ کر ہم وہاں پہنچ گئے جہاں صرف زیر لب یہی بدبدا سکتے ہیں کہ ؎

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

سخت مشکلات و حالات میں بھی الحمدللہ مکتبہ دارالمصنّفین میں کئی نئی کتابوں جیسے تاریخ اندلس جلد چہارم، مصادر سیرت، مکتوبات سلیمان، دارالمصنّفین کے معمار اور فواد سزکین کا اضافہ ہونے والا ہے، یہ سب پریس میں ہیں، لاک ڈاؤن نے ان کی رونمائی روک رکھی ہے، البتہ مدیر معارف جناب اشتیاق احمد ظلی اب تک مکمل صحت یاب نہیں ہوئے، ان کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے، قارئین کو ان کے بامقصد، پرمغز اور اعلیٰ علمی شذرات و مقالات کا اشتیاق ہے، خدا کرے ان کی یہ خواہش جلد سے جلد پوری ہو۔ ادھر اعظم گڑھ میں شبلی پی جی کالج کے پرنسپل جناب مسعود اختر، ڈاکٹر اسد، ڈاکٹر حلیم اور ڈاکٹر ممتاز جیراج پوری نے عالم فانی کو الوداع کہا، یہ سب دارالمصنّفین سے خاص تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

www.shibliacademy.org

مقالات

حدیثِ رسولؐ اور شعرِ اقبال

پروفیسر عبدالحق

سیرتِ سرورِ عالمؐ شعری ثقافت کا سب سے محترم موضوعِ سخن ہے۔ تقریباً ہر سخن ور نے ذکرِ رسالت مآبؐ سے اپنی تخلیق کو پرنور کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض شعرا اس نسبت کی برگزیدی سے بلندی پر فائز ہوئے۔ ان کی ناموری ناموسِ نبوت سے قائم ہوئی۔ شعری تخلیق کا ایک گراں قدر حصہ ذکر و فکر میں وظیفہ روز و شب ٹھہرا۔ شعرا کے جذب و شوق کا اظہار قاری کو عرفان و آگہی کے سوز و ساز سے سرشار کرنے کا باعث بنا۔ فن میں عشق و عقیدت کی یہ وارفتگی اور فراوانی کسی اور شخص سے وابستہ نظر نہیں آتی۔ ہماری ادبی ثقافت کا یہ امتیاز بھی ہے۔ ذاتِ گرامیؐ کا تخلیقی محرک بن جانا معجزۂ فن کی دلیل ہے۔ تخلیق کی اس معجز نمائی کا مشاہدہ کرنا ہو تو کلامِ اقبال کا مطالعہ کیا جائے۔ صرف یہی موضوع پیشِ نظر رکھیے تو حیرتوں کا ایک جہانِ دیگر دکھائی دے گا۔ اقبال کے سرمایۂ قلم میں نہ نعت ہے اور نہ سیرتِ رسولؐ پر کوئی کتاب مگر تخلیقات میں ذکرِ حبیبؐ کی نور فشانی ہر سو جلوہ گر ہے۔ کہیں برملا و بے حجاب ہے تو کہیں پُراسرار حرفِ راز بن کر معنی کے نہاں خانوں میں پوشیدہ۔ اس ادراک کے لیے نگاہ کا شریک بینائی ہونا لازم ہے۔ تخلیقی تاریخ میں یہ ایک منفرد مثال ہے۔

شعرا اور سیر نگاروں نے پیغمبرِ اعظم و آخرؐ کی سیرت و شمائل کے بیان میں بے مثال عشق و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ و تلمیح کے سہارے عرفانِ رسالت کے جو نذرانے قلم بند کیے ہیں وہ بنی نوع انسان کی علمی و تخلیقی سرمایہ کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ کائنات کی کسی شخصیت سے نہ یہ عشق ملتا ہے اور نہ سرمایۂ علمی ہی محفوظ کیا گیا ہے۔ یہ مسلمانوں کی سب سے عظیم اور مقدس سعادت ہے۔ اقبال کا یہی خاص امتیاز ہے کہ حضورِ رسالت مآبؐ سے ان کا عشق اور وفورِ شوق جذب و جنوں کی انتہاؤں سے ہم آہنگ

۲۳۱۵۔ ہڈسن لائن، کنگس وے کیمپ، دہلی۔۹، فون: ۹۳۵۰۴۶۱۳۹۴۔

www.shibliacademy.org

ہے۔اس کے ساتھ انہوں نے رسولِ کریمؐ کی ذاتِ مبارک کو حکمت ودانائی میں سراپا نور قرار دیا ہے۔ یہ مفکرانہ نسبت اقبال کو بہت محبوب ہے کیوں کہ آنحضرتؐ کی شخصیت مفکر اعظم وآخر کی ہے۔اقبال نے اپنے عشق کو وجدان والہام سے ہم آمیز کیا ہے۔جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔احادیث کے انتخاب میں یہ پُراسرار نکتہ پیش نظر رہا ہے۔اس موضوع پر گفتگو میں اقبال کے اس اقرار واعتراف پر توجہ لازم ہے۔

ایں ہمہ از لطف بے پایانِ تست فکر ما پروردۂ احسانِ تست

(در حضور رسالت مآبؐ پس چہ باید کرد)

اقبال اعتراف کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے بیکراں لطف وعنایت کے آغوش میں ان کے فکر ونظر کی پرورش ہوئی ہے۔اس بے پایاں احسان کا اقرار مطالعۂ اقبال میں بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اقبال کی دروں بینی کے اس احساس تک دریابی کے لیے دیدۂ بینا درکار ہے۔گویا ان کے فکری نظام کا مصدر اعظم نبی برحق کی ذات گرامیؐ ہے۔اقبال نے اشارے کیے ہیں کہ ان کے علم ومطالعہ میں دانشِ افرنگ نے اضافہ کیا ہے۔اور مشرق کے صاحبِ نظراں نے سینے کو پُرنور کیا ہے مگر خاکِ مدینہ نے فکر ونظر اور لوح وقلم کو بینائی بخشی ہے۔اقبال معترف ہیں کہ عالم آب وخاک میں اسی کے ظہور سے سب کو فروغ نظر حاصل ہے۔اسی ذات مبارک کی بدولت ہر ذرۂ ریگ کو طلوعِ آفتاب کی تابانی میسر ہے۔اس ذات تک رسائی ہی دین ودانش کا مقصود ومنتہا ہے۔

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

کلام اقبال میں عشق وعقیدت کے بے پایاں جذب وشوق کی سایہ نشینی سے پوری فضا جمال آفریں ہے۔کیوں، خدا محبوب تر گردد نبیؐ۔

جب یہ صورت ہو تو محبوب کے تمام متعلقات یا مناسبات سبھی عزیز تر ہوتے ہیں۔سیرت و شخصیت کے ساتھ اقوال وکردار کی سبھی ادائیں جسم وجان سے زیادہ پیاری ہوجاتی ہیں۔اقبال کے اشعار میں جگہ جگہ اسوۂ رسولؐ یا منصبِ نبوت کا تذکرہ ہے۔ساتھ ہی ذاتِ اقدسؐ کے ارشادات کا حوالہ بھی منظوم ہوا ہے۔

فکر اقبال کا سب سے اہم سرچشمہ قرآن ہے۔اقبال کی تحریروں میں قرآن کریم کے حوالے جس کثرت سے ملتے ہیں وہ تخلیقی ادب میں ایک نایاب نظیر ہے۔شعر اقبال کی بلاغت اور فکر کی بلندی کا

www.shibliacademy.org

ایک اہم سبب صحفِ سماوی کے حوالے ہیں۔ اقبال کی آرزو تھی کہ وہ قرآن کی تفسیر قلم بند کرتے، دوسرے تصنیفی منصوبوں کی طرح یہ اہم کام بھی انجام نہ پا سکا۔ رموزِ بیخودی میں سورۂ اخلاص کی منظوم تشریح و تعبیر ان کی بنیادی فکر کی اہم ترجمان بن گئی ہے۔ مختصر سورت کے لیے ایک سو سولہ اشعار منظوم کیے گئے ہیں۔ قرآن اور اقبال کے سلسلے میں اقبالیات میں قابل قدر سرمایہ موجود ہے۔ مستعمل آیات میں جن نکات کی طرف اقبال کے اشارے ہیں وہ اقبال کے تفسیری رویے کی نشان دہی کرتے ہیں۔

اقبال نے نثری تحریروں میں بھی آنحضرتؐ کے اقوال قلم بند کیے ہیں اور ان کی فلسفیانہ تشریح بھی کی ہے۔ قرانی آیات کے ساتھ احادیث رسولؐ کی شرح و تفصیل بھی اقبال کے پیشِ نظر ہے۔ انہوں نے خطبات میں سیرت سرورِ کونینؐ کے حکیمانہ پہلوؤں پر اپنی وسعتِ نظر کا اظہار کیا ہے۔ ''مضامین اقبال'' میں آنحضرتؐ کے قولِ مبارک پر ایک مقالہ قلم بند کیا ہے جو نظریۂ ادب کا سب سے اہم اور مہتم بالشان ضابطۂ تخلیق کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مقالے کا عنوان ہے ''جناب رسالت مآبؐ کا ادبی تبصرہ'' آنحضرتؐ نے امراء القیس کی شاعری پر ارشاد فرماتے ہوئے کہا تھا کہ ''اشعر الشعرا و قائدھم الی النار'' یعنی وہ شاعروں کا سردار تو ہے مگر جہنم کے مرحلے میں ان سب کا سپہ سالار بھی ہے۔ تخلیق کا یہ نصب العین نہیں ہے کہ حقائق زندگی سے گریز سکھائے اور تخیلات کی ساحری میں گمراہ کرے۔ ادب نشاطِ زیست کا ترجمان نہیں ہے۔ گویا فن برائے فن ایک اندوہ ناک تصور ہے۔ اسی حدیث کو اقبال نے مرقعِ غالب کے مقدمہ میں بھی دہرایا ہے۔(۱) اسی مقالے میں اقبال نے مشہور شاعر عنترہ کے شعر پر آنحضرتؐ کے تعریفی کلمات کو نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوق ملاقات نہیں پیدا کیا لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے نگارندے کو دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے''۔(۲) عنترہ کا شعر صحت بخش زندگی کی جیتی جاگتی اور بولتی تصویر ہے جو تعیش کی جگہ سخت کوشی وجد و جہد کو دعوت دیتی ہے۔ یہی تخلیق کی معراج ہے کہ زندگی کی کشاکشوں سے نبرد آزما ہو۔ گویا آپ نے چودہ سو برس پہلے ادب برائے زندگی کو خوش آمدید کہا تھا۔

''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' کے پہلے خطبہ علم اور مذہبی مشاہدات میں مشہور حدیث ''لاتسبوا الدھر'' کی تشریح کی گئی ہے اس سے یقین ہوتا ہے کہ احادیث نبویؐ سے فکر اقبال کو ایک فلسفیانہ گرویدگی ہے۔ عقیدت و احترام سے قطع نظر انہیں اقوال رسولؐ سے مفکرانہ نسبت ہے یہی وجہ ہے

www.shibliacademy.org

کہ انہوں نے سرورِ کونینؐ کو حکمت و دانائی کا عظیم پیکر تسلیم کیا ہے۔ اشعار میں دانائے سبل، گوہر حکمت، الکتاب اور لوح و قلم کے معنی خیز الفاظ موجود ہیں۔

گوہر حکمت بہ تارِ جانِ امت سفتۂ ای

(باقیات)

در جہانِ ذکر و فکر انس و جاں تو صلوتِ صبح تو بانگِ اذاں
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی کشتی و دریا و طوفانم توئی
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پاگئے عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

اشعار میں منظوم احادیث کی فکر افروز حکمت بہت نمایاں ہے اقبال مفکر شاعر ہیں۔ لازم تھا کہ ایسے ہی اقوال کا انتخاب ہو جو فلسفیانہ جہانِ معنی سے معمور ہوں۔ اقبال نے احادیث سے اجتہادی استدلال بھی کیا ہے، جیسے آپؐ کا قول ''لا نبی بعدی'' اس کا منطقی نتیجہ ہوگا کہ لا قوم بعدی اس سے اقبال کے فکری منہاج و معیار اور طریق استدلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

اقبال نے تخلیقی حسن آفرینی کے ساتھ کلام میں احادیث رسولؐ کو جزوِ فن بنا دیا ہے۔ حدیث پاک کے حوالوں کی کثرت فارسی شاعری میں ہے یہ اردو میں بہت کم منظوم ہوئے ہیں۔ باقیات میں حسبِ ذیل احادیث منظوم کی گئی ہیں۔

۱۔ تیرا رتبہ جوہرِ آئینۂ لولاک ہے
۲۔ اے کہ حرفِ اطلبو الوکان بالسین گفتہ ای
۳۔ ما عرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری

یہ دونوں مصرعے نظم ''اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں سے'' اور ''فریادِ امت سے'' ماخوذ ہیں۔ نظم ''ماتم پسر'' کا مصرع ہے۔

۴۔ مقصد لحمک لحمی پر کھلی ان کی زبان

اردو کلیات میں بس برائے نام حوالے ہیں۔ نظم ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' کا یہ مصرع ضعیف حدیث کا ترجمہ قرار دیا گیا ہے۔

میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

www.shibliacademy.org

''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' کے مصرع میں مشہور حدیث منظوم ہے:

سماں الفقر فخری کا رہا شانِ امارت میں
عالم ہے فقط مومنِ جاں باز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

بالِ جبریل کی غزل ۴۶ کے مقطع میں بھی یہ حدیث دہرائی گئی ہے:

جہاں مقام ہے میراث مرد مومن کی میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

اردو کے مجموعوں میں ذکر حدیث کی یہ صورت نہیں ہے سبب نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ ضرور ہے کہ فارسی میں موضوعات اور مواقع مختلف النوع ہیں۔ ان حوالوں کی وہاں زیادہ گنجائش تھی۔ راقم کا یہ محض قیاس ہے۔

قرآن کریم کی طرح اقبال نے اقوالِ رسولؐ سے بھی اپنے فکر ونظر کی تشکیل میں بڑی مدد لی ہے، ہم جانتے ہیں کہ فلسفہ زمان ومکاں کے سلسلے میں اقبال فکری طور پر اضطراب سے دوچار تھے۔ معاصر علما واکابرین دانش سے دریافت کرتے رہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی رہ نمائی نہ ہوسکی۔ لیکن انہیں حدیثِ رسولؐ نے بڑی استقامت بخشی۔ اسرارِ خودی، ان کی پہلی شعری اور فکری تخلیق ہے۔ خودی کے وجود ونمود اور پہنائی کا مسئلہ خاصا پیچیدہ تھا۔ انہوں نے قول نبیؐ سے مدد لی اور زمان ومکاں کے تصورات کو مربوط کیا۔

زندگی از دہر ودہر از زندگی است لا تسبو الدہر فرمانِ نبی ؐ است

اقبالیاتی مطالعہ میں یہ موضوع خاصا اہم اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ انہوں نے رموزِ بیخودی اور پیام مشرق میں الوقت سیف اور 'نوائے وقت' کے عنوان سے نظمیں لکھی ہیں۔ 'زمانہ' کے نام سے بالِ جبریل میں بھی ایک نظم کے علاوہ متفرق اشعار ہیں جو اس فکری نکتے کی وضاحت کرتے ہیں۔ ضربِ کلیم کا یہ شعر بڑی حکیمانہ معنویت کا حامل ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان ومکاں کی زناری نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ

''اسرارِ خودی'' میں سب سے پہلے اس حدیث پر نظر پڑتی ہے جو ''خودی از سوال ضعیف می گردد'' کے ذیل میں نقل کی گئی ہے:

www.shibliacademy.org

آں کہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رفت مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت

ذاتِ گرامیؐ کا ارشاد ہے ''الکاسب حبیب اللہ'' یعنی محنت کش مزدور اللہ کا دوست ہے۔

تا کجا روز وشب باشی اسیر رمزِ وقت از لی مع اللہ یاد گیر

حدیث لی مع اللہ وقت کی طرف اشارہ ہے۔

'رموزِ بیخودی' میں پہلی حدیث ہے:

بہر آں شہزادۂ خیر الملل دوش ختم المرسلین نعم الجمل

یہاں حدیث ونعم الجمل جملکما ونعم العدلان انتما کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پیشِ پیغمبر چو کعب پاک زاد ہدیۂ آورد از بانت سعاد

گفت سیف من سیوف اللہ گو حق پرستی جز براہِ حق مپو

آپؐ کا قول ہے ''سیف من سیوف اللہ'' اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار پیغمبرِ اعظم وآخرؐ کے بارے میں ایک بہت مشہور اور معتبر حدیث مروی ہے۔

کنت نبیا و آدم بین الماءِ والطین

جلوۂ او قدسیاں را سینہ سوز بود اندر آب وگل آدم ہنوز

ترمذی شریف میں ہے قال آدم بین الروح والجسد (کہا اور آدم ابھی روح اور جسد کے مابین تھے)

ایک دوسری حدیث کو اس طرح منظوم کیا گیا ہے:

آنکہ نازد بر وجودش کائنات ذکر او فرمود باطیب وصلوۃ

سورہ اخلاص کی تفسیر میں حدیث کا اشارہ ملتا ہے:

آں امنّ الناس بر مولائے ما آں کلیم اولِ سینائے ما

حدیث کے الفاظ ہیں: ''امنّ الناس علیٰ فی صحبتہٖ ومالہٖ ابوبکر''

لست منّی گویدت مولائے ما وائے ما اے وائے ما اے وائے ما

آپ نے فرمایا تو میری قوم سے نہیں ہے۔

''پیام مشرق'' میں ایک آیت کریمہ کا حوالہ ہے مگر حدیث کا ذکر نہیں ہے۔ ہاں اقبال کا نتشے

www.shibliacademy.org

کے بارے میں جو مصرع بہت مقبول ہوا:

قلبِ او مومن دماغش کافر است

محسوس ہوتا ہے کہ بدونِ حوالہ آنحضرتؐ کے ایک قول کا اشارہ ہے۔ حضور رسالت مآبؐ کے عرب شاعر امیہ ابن الصلت کے لیے فرمایا تھا، ''امن لسانہٗ و کفر قلبہٗ''۔

اقبال کے مطالعہ اور یادداشت کو آفریں ہو کہ انہوں نے احادیث واقوال کو حافظے کے نہاں خانے میں محفوظ رکھا اور تخلیق میں نگیں سازی سے کام لیا۔ ان کے کئی اشعار بدون حوالۂ حدیث کے بھی ہیں جن میں جزوی عبارت یا اشارے موجود ہیں۔ حدیث کے بے کراں ذخیرۂ علمی پر ان کی حکیمانہ نگاہ ہے۔ جن کی مدد سے وہ کلام کو علمی تقدیس سے ہم آمیز کرتے ہیں۔ تخلیق کو تقدیس کے مقام معراج تک رسائی کے لیے اقبال کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مشرقی ادبیات میں اقبال کا یہی مقام محمود ہے، بنی نوع بشر کی نغمہ سرائی فکر اقبال کا سب سے نمایاں امتیاز وافتخار ہے۔ وحدتِ آدم کے تصور پر اقبال سے زیادہ کسی مفکر نے توجہ نہیں دی ہے۔ انہوں نے قوموں کی وحدت کو اندوہ ناک بتایا ہے۔ اور وحدت آدم کو ترجیح دی ہے۔ اس تصور کے سرچشمے احادیث نبویؐ میں موجود ہیں۔ تمام عالم کو عیال اللہ کہا گیا ہے۔ اقبال کا شعر ملاحظہ ہو جس میں حدیث کا حوالہ نہیں ہے۔ مگر مفہوم کی معنویت پورے موثرات کے ساتھ موجود ہے۔

حرفِ بد را برلب آوردن خطا است کافر ومومن ہمہ خلقِ خدا است

اس طرح کے کئی اشارے کلام میں قلم بند ہوئے ہیں جو حدیث کے ترجمان ہیں۔

''زبور عجم'' اور ''گلشنِ راز جدید'' میں بھی بہ ظاہر کوئی حدیث درج نہیں ہے، ''جاوید نامہ'' میں کئی حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ جو موقع کی مناسبت سے بہت موزوں ہیں اور فکر کی تازگی اور تمازت سے معمور ہیں۔ ان کی مدد سے اقبال نے اپنے افکار کو معنویت سے آراستہ کیا ہے۔ زروان کہ روح زمان ومکان است کے ذیل میں حدیث پر نظر پڑتی ہے۔ اس حدیث کو دو شعروں میں دہرایا گیا ہے:

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست آن جواں مرد ے طلسم من شکست

گر تو خواہی من نباشم درمیاں لی مع اللہ باز خواں از عین جاں

اس سے قبل اس حدیث پاک کو ''اسرار خودی'' میں بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا

www.shibliacademy.org

ہے کہ اقبال کو زمان ومکاں کے تصورات کی تشکیل وتعبیر میں سرورِ کونینؐ کے ارشاد سے توثیق وتصدیق ہوئی۔ جاوید نامہ میں دوسری حدیث بھی بڑی خوبی سے شعر میں ڈھالی گئی ہے۔ افغانی کی زبان سے ادا کی گئی ہے:

از حدیث مصطفیٰؐ داری نصیب دین حق اندر جہاں آمد غریب

حدیث ہے کہ ''الاسلام جاء غریب.....''

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ صرف ایک لفظ سے حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ متن کو پیش نہ کر کے صرف ایک لفظ سے پوری حدیث کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اقبال نے کئی مقامات پر قرآن کی آیات کے ساتھ بھی اختصار واشارے کی اس صورت سے کام لیا ہے۔ جاوید نامہ میں خواجۂ اہل فراق کی زبان سے حدیث پاک نقل کی گئی ہے:

گفتمش ''بگذر زآئین فراق ابغض الاشیاء عندی الطلاق''

جاوید نامہ کے اختتام 'خطاب بہ جاوید' کے آخر میں دو حدیثوں کا ذکر ہے:

ضعف ایمان است ودل گیری است غم نوجوانا ! نیمۂ پیری است غم

نیمۂ پیری سے اشارہ ہے: اللّٰھم نصف الحرام۔

می شناسی ؟ حرص فقر حاضر است من غلام آنکہ بر خود قاہر است

یہاں بھی فقرِ حاضر کہہ کر حدیث مراد ہے جس کا متن ہے: ایّاکم والطمع فانّہٗ الفقر الحاضر۔

کبھی کبھی شعری ضروریات یا مجبوری کے سبب بھی صرف اشاراتی الفاظ سے کام لیا جاتا ہے۔ اقبال نے بھی ایسا کیا ہے۔ اگرچہ عام قاری کی بساط فہم کے لیے یہ اشارے مشکل ہوتے ہیں۔ لیکن شارحین اور مترجمین نے تفہیم آسان کر دی ہے۔ اقبال نے اقرار کیا ہے کہ سیلِ معانی کو ضبط کرنا بہت مشکل تھا۔ پھر بھی قلندر نے اسرارِ کتاب کی وضاحت کر دی۔

مثنوی 'پس چہ باید کرد اے اقوام شرق' ایک مختصر شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۳۶ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس میں بھی چند احادیث مذکور ہیں۔ 'فقر' کے ذیل میں یہ شعر ہے جس میں متن کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے حدیث کا متن یا اس کا کوئی حصہ نقل نہیں کیا گیا ہے۔

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں

www.shibliacademy.org

حضور اکرمؐ کی مشہور حدیث کی طرف تلمیح کا اشارا ہے۔ جس میں ارشادِ رسولؐ کے مطابق ''تمام روئے زمین میری مسجد ہے'' 'دراسرارِ شریعت' میں دوسری حدیث ہے۔

مال را گر بہر دیں باشی حمول نِعمَ مَالٌ صَالحٌ گوید رسولؐ

اسی نظم میں تیسری اور انتہائی فکر انگیز حدیث پاک کو منظوم کیا گیا ہے:

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست چشمِ او ینظر بنور اللہ نیست

آپؐ نے فرمایا کہ مومن کی فراست سے ڈرو کیوں کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ''اتقو فراست المومن فانہ ینظر بنور اللہ''۔

''سیاسیاتِ حاضرہ'' نظم میں ایک بہت ہی مشہور حدیث کو منظوم کیا گیا ہے:

در بدن داری اگر سوز حیات ہست معراج مسلماں در صلوٰت

اس تلمیح میں قولِ نبیؐ کو دہرایا گیا ہے کہ نماز مومن کے لیے معراج ہے: الصلوۃ معراج المومنین۔

نظم 'حرفے چند با امتِ عربیہ' کا مطلع ہے:

اے درودشتِ تو باقی تا ابد نعرۂ لا قیصر و کسریٰ کہ زد

ذاتِ گرامی کا ارشاد ہے کہ ھلك قیصر فلا قیصر بعدہٗ.....

مثنوی 'مسافر' میں حسب ذیل حدیث پاک کی تلمیح موجود ہے: لی خرقتان الفقر والجہاد۔

خرقۂ آں '' برزخ لا یبغیان دید مش در نکتہ لی خرقتان

یہاں قرآن اور حدیث دونوں کی تلمیح موجود ہیں۔ 'ارمغانِ حجاز' میں بھی چند اقوال رسالت مآبؐ کے حوالے بہ طور تلمیح موجود ہیں۔ ایک رباعی کے آخری شعر میں ''من رانی فقد رای اللہ'' کو منظوم کیا گیا ہے۔ مشہور حدیث:

چارم کن بہ صبح ''من رانی'' شمم را تابِ مہ آوردۂ تست

حدیثِ پاک کا مفہوم ہے ''جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ کو دیکھا'' ارمغان کی ایک رباعی میں دو حدیثوں کو دو شعروں کے قافیے میں قلم بند کر کے اقبال نے جذبِ دروں کو شعری پیکروں میں پیش کیا ہے:

www.shibliacademy.org

مسلماں را ہمیں عرفان و ادراک کہ در خود فاش بیند رمزِ لولاک
خدا اندر قیاسِ ما نگنجد شناس آں را کہ گوید ما عرفناک

ذاتِ گرامیؐ کے مقام ومنصب کے عرفان وایقان کے لیے دونوں حدیثیں بار بار پیش کی گئی ہیں یعنی کائنات کی تخلیق کا سبب ذاتِ مبارک کا وجود ہے۔ گویا آپ نہ ہوتے تو عالم افلاک نہ ہوتا نہ یہ ارض وسما ہوتے نہ ہی کوئی شے خلق ہوتی۔ دوسری حدیث کو اقبال پہلے بھی نقل کر چکے ہیں: ''ماعرفناك حق معرفتك'' محمدؐ کا عرفان ہی اللہ کا عرفان ہے یعنی آنحضرتؐ کے عرفان کے بغیر ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان ممکن نہیں ہے۔ جیسے کہ رسولؐ کی محبت یا اطاعت ہی اللہ سے محبت اور اس کی اطاعت ہے۔ یہی مرکز محبت ہے اور یہی مقامِ نبوت بھی جس کے ذکر وفکر سے اقبال کا کلام اپنی نورفشانی میں بے نظیر تخلیقات کا روشن آتش کدہ ہے۔ جس میں نورِ نبوت کا ہر شرر شعلۂ جہاں تاب کی طرح جلوہ ساماں ہے۔ سیرتِ رسولؐ کے کردار وگفتار سے نسبتوں کے فسانے اور زمانے دونوں عجیب ہیں جو فردائے قیامت تک کے لیے سخن کے سوز وگداز کو حقیقت ابدی میں بدل دیتے ہیں۔ اس معروضے اور مشاہدے کے لیے بارِ ثبوت کے طور پر کلام اقبال کافی ہے۔

تخریجِ احادیث

(۱) مسجد من ایں ہمہ روئے زمین است۔ ''أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً فأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل، وأحلت لي الغنائم ولم تحل لأحد من قبلي، وأعطيت الشفاعة وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة'' (بخاری ومسلم)۔ (۲) ''میرعرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے''، اس مضمون کی کوئی حدیث احقر کے علم میں نہیں ہے اور کتبِ حدیث میں سرسری تلاش سے ملی بھی نہیں۔ (فتاویٰ عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبۂ معارف القرآن: کراچی ۱/ ۲۲۵)۔ (۳) لولاك ما خلقت الأفلاك امام شوکانی نے موضوع مانتے ہوئے اپنی کتاب ''الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة'' (ص ۳۲۶) میں یہ قول ذکر کیا ہے۔ (۴) نعم المال الصالح للرجل الصالح صحیح ہے (صحيح الأدب المفرد، ح ۲۲۹) كشف الخفاء بتحقيق هنداوی

www.shibliacademy.org

(۲/۳۸۷)، حدیث نمبر ۲۸۲۔(۵) اطلبوا العلم ولو کان بالصین ضعیف ہے اور بعض علما نے موضوع قرار دیا ہے۔ حوالہ سابق (۱/۱۵۶) حدیث نمبر ۳۹۷۔(۶) ما عرفناك حق معرفتك حدیث کے طور پر اہل سنت کی کتابوں میں یہ جملہ نہیں ملا۔(۷) الصلاۃ معراج المؤمن حدیث نہیں ہے لیکن نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں مسلمانوں کے لیے تحفے کے طور پر ملی تھی اس لیے مفہومی طور پر نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔ نماز میں ان کا خشوع خضوع ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہیں۔(۸) لحمك لحمی الہیثمی کی مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (۹/۱۱۱) حدیث نمبر ۴۶۵۴ کی عبارت اس طرح ہے: ''هَذَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ لَحْمُهُ لَحْمِي وَدَمُهُ دَمِي، فَهُوَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي''، اس حدیث کو الطبرانی نے بیان کیا ہے اور حدیث ضعیف ہے۔(۹) الفقر فخری وبه أفتخر، کشف الخفاء تحقیق ہنداوی (۲/۱۰۲) حدیث نمبر ۱۸۳۵ ضعیف۔(۱۰) لا تسبوا الدهر فإن الدهر هو الله، حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں روایت کی گئی ہے۔ دیگر الفاظ میں یہ حدیث بخاری وغیرہ دیگر کتب حدیث میں بھی ملتی ہے۔ کشف الخفاء تحقیق ہنداوی (۲/۴۳۶) حدیث نمبر ۳۰۲۰ صحیح۔(۱۱) الکاسب حبیب اللہ: اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میں یہ جملہ حدیث کے طور پر نہیں ملا البتہ بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں میں یہ جملہ حدیث کے طور پر ہے، مثنوی رومی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال یہ حدیث نہیں ہے۔ باقی حلال کسبِ معاش اور اپنے ہاتھ سے کمائی کی فضیلت میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں۔(۱۲) لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل ملا علی القاری نے اپنی کتاب الأسرار المرفوعة فی الأحادیث الموضوعة (حدیث نمبر ۳۹۲) میں اسے موضوع احادیث میں شامل کیا ہے۔(۱۳) نعم الجمل جملکما: علما نے اسے ضعیف اور منکر وباطل بتایا ہے۔ تشبیہ بھی غیر مناسب ہے۔(۱۴) خالد بن الولید سیف من سیوف اللہ، صبه الله علی الکفار حدیث صحیح ہے۔ کشف الخفاء تحقیق ہنداوی (۱/۴۳۰) حدیث نمبر ۱۱۹۵۔(۱۵) کنت نبیًا وآدم بین الماء والطین ان الفاظ میں صحیح حدیث نہیں ملتی۔ اس معنی میں صحیح حدیث اس طرح ہے: کنت نبیًا وآدم بین الروح والجسد۔ کشف الخفاء تحقیق ہنداوی (۱/۴۳۰) حدیث نمبر ۲۰۰۷ کے تحت۔(۱۶) طیب صلوۃ واضح نہیں ہے۔(۱۷) إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي مَالِهِ وَصُحْبَتِهِ أَبُو بَكْرٍ (صحیح مسلم تحقیق محمد فؤاد عبد الباقی (۴/۱۸۵۴) حدیث نمبر ۲۳۸۲۔(۱۸) لست منی غیر واضح ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ''أنت منّی'' کی تحریف ہو۔

www.shibliacademy.org

بخاری ومسلم ودیگر کتب حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں آتا ہے: ''أنت منّی وأنا منك''۔ (۱۹) آمن لسانه و کفر قلبه یا آمن شعره و کفر قلبه ان الفاظ میں یہ عبارت مختلف کتابوں میں وارد ہوئی ہے بعض کتابوں میں یہ عبارت، خاص طور پر ''آمن لسانه و کفر قلبه''، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے۔ کشف الخفاء تحقیق ھنداوی (۱/ ۲۶) نمبر ۱۹ کے مطابق الفاظ یہ ہیں: ''آمن شعر أمیة بن أبی الصلت و کفر قلبه'' اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (۲۰) الاسلام جاء غریب ایسی کوئی حدیث نہیں ملی، نحوی طور پر بھی جملہ غلط ہے۔ صحیح مسلم (۱/ ۱۳۰) حدیث نمبر..... میں اس موضوع پر حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ''۔ (۲۱) أبغض الأشیاء عندی الطلاق ان الفاظ میں کوئی حدیث نہیں ملی۔ اس موضوع پر یہ حدیث ملی ہے: ''أبغض الحلال إلی الله الطلاق'' اس حدیث کو بعض علما نے صحیح مانا ہے اور دوسرے اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (۲۲) اللهم نصف الحرام غیر واضح ہے، جملہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ شاید ''الهم نصف الهرم'' ہو اور ایک اور قول ہے: ''الهم نصف الداء'' لیکن یہ سب اقوال ہیں، حدیثیں نہیں۔ (۲۳) إیاکم والطمع، فإنه الفقر الحاضر کشف الخفاء (۱/ ۱۲-۳۱۱) برقم: ۸۵۹)، شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (۲۴) اتقوا فراسة المؤمن، فإنه ینظر بنور الله ضعیف ہے۔ کشف الخفاء (۱/ ۵۰-۵۱) حدیث نمبر ۸۰۔ (۲۵) إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ، فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے، یہاں مسلم شریف کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں۔ (اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیه الشیخان) (۳/ ۳۰۸) برقم ۱۸۴۸)۔ (۲۶) لی خرقتان الفقر والجهاد بظاہر کسی کا قول ہے حدیث نہیں، ممکن ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کوئی قول ہو۔ (۲۷) من رآنی فقد رأی الله یہ حدیث نہیں بلکہ عیسائی نظریہ یا ان کی مقدس کتاب میں آنے والے جملے کا عربی اسلامی ترجمہ ہے ''من رآنی فقد رأی الأب''، ظاہر ہے ''الأب'' سے مراد خدا ہے (العیاذ باللہ)۔

بخاری شریف (۹/ ۳۳، حدیث نمبر ۶۹۹۷) میں آتا ہے: ''مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَآى الحَقَّ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَكَوَّنُنِي'' یعنی جس نے مجھے (خواب میں) دیکھا، اس نے حقیقتاً (مجھے ہی) دیکھا، کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ یہاں۔ الحق، ''حقّا'': درحقیقت کے معنے میں ہے۔

www.shibliacademy.org

برصغیر میں اردو کے اولین مفسر قرآن

نواب عبدالصمد دلیر جنگ مدراسی

ڈاکٹر راہیؔ فدائی

(۲)

مفسر عبدالصمد دلیر جنگ (متوفی ۱۲۲۹ھ) نے اپنی تفسیر کا نام ''تفسیر وہابی'' رکھا، جس کے دو سبب تھے، ایک والد ماجد شکوہ الملک نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں بہادر نصرت جنگ (متوفی ۱۲۱۸ھ) کی تربیت کا ایسا گہرا نقش دل و دماغ پر مرتسم ہوا تھا کہ انہیں اپنی اس مبارک و مسعود تفسیری کاوش کو والد کے اسم گرامی ''عبدالوہاب'' سے منسوب کرنے کا خیال آیا اور اسے انہوں نے عملی جامہ پہنایا اور دوسرا سبب یہ کہ مفسر عبدالصمد نے اپنے محسن و مربی علامہ قاضی نظام الدین صغیر (متوفی ۱۱۸۹ھ) کو دیکھا کہ انھوں نے اپنی دو تصانیف (فیض الوھاب شرح خلاصۃ الحساب، فتح الوھاب المجید فی ترجمۃ القول السدید) کے نام اپنے محسن و کرم فرما نواب عبدالوہاب کے نام کی مناسبت سے رکھا تھا، لہٰذا انھوں نے اسی کی تقلید کی۔ مفسر عبدالصمد کے دور بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی میں قدیم اردو یعنی ''دکنی'' میں تحریر کردہ کوئی مکمل تفسیر نہیں تھی، البتہ منتخب سورتوں کے ترجمے اور تفسیریں معرض وجود میں آچکی تھیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں کامل و مکمل تفسیر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جیسا کہ خود انھوں نے اپنی تفسیر کی ابتدا میں اس بات کا اظہار فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

> ''بعد حمد اور نعت کے کہتا ہوں کہ اس تفسیر کا نام ''تفسیر وہابی'' رکھا ہوں، اس تفسیر کے بنانے ہارے کا نام ''عبدالصمد'' بیٹا نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں بہادر نصرت جنگ کا، فرزند ضعیف کی خاطر میں آیا کہ بہوت تفسیراں عربی اور

ہاؤس نمبر ۲۱۸، گراؤنڈ فلور، سکنڈ بی کراس، ایچ، بی، آر۔ فورتھ بلاک، بنگلور، فون: ۹۶۰۶۸۶۵۸۲۳۔

www.shibliacademy.org

فارسی ہیں، لیکن دکنی تفسیر شاید کہ کم ہیں بلکہ نہیں ہیں، اس واسطے سب مرداں اور عورتوں کو قرآن مجید کے معانی معلوم ہوکر عالم کو فائدہ ہونے کے واسطے دکنی زبان سے بنایا ہوں، اگر کوئی عالم اور فاضل اس تفسیر کو پڑھے تو کرم کی راہ میں اس کے مطلب کی کمی اور زیادتی دریافت کرکر درست کریں اور اس ناقص بندہ پر حرف نہ رکھیں اور مجکو نیکی سے یاد کریں اور مغفرت چاہیں اور بھی التماس سب پڑھنے ہاروں کی خدمت میں ہے، چاہیے کہ اس تفسیر کے پڑھنا ہارے میری التماس قبول کرکر مہربانی کریں۔'' (۳۲)

''تفسیر وہابی'' کے سن تحریر کے متعلق محققین کی طرف سے دو طرح کی آرا مذکور ہوئی ہیں، حالانکہ یہ دونوں افراط وتفریط کی طرف اشارہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مخطوطہ ''تفسیر وہابی'' کے اختتام پر ترقیمے میں ایک عربی جملہ لکھا گیا ہے جس میں تاریخ تصنیف بتائی گئی ہے وہ جملہ اس طرح ہے:

''فی شهر جمادی الثانی یوم السبت من عشرین هذالشهر سنة ثمانین وسبع بعد الالف من هجرة النبویة صلی الله علیه وسلم۔'' (۳۳)

مذکورہ بالا عربی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ تفسیر بتاریخ ۲۰/جمادی الثانی سنہ ۱۰۸۷ھ بروز شنبہ مکمل ہوئی، اس عبارت کے مدنظر بعض اہل علم نے یہ یقین کرلیا کہ یہ تفسیر گیارہویں صدی ہجری میں تحریر کی گئی ہے اور اس کا سال ۱۰۸۷ھ مطابق ۱۶۷۶ء ہے۔ جیسا کہ مولوی قاضی عبدالصمد صارم مصنف ''تاریخ التفسیر'' (۳۴) نے اور ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین نے اپنے گرانقدر مقالے ''قرآن مجید کے اردو تراجم'' میں (۳۵) اور انہیں کے حوالے سے ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے اپنے معرکہ آرا عربی مقالے ''بدایة ترجمة القرآن فی شتّی اللغات'' میں (۳۶) اور جناب محمد افضل خاں نے اپنے مضمون ''قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر'' میں (۳۷) ''تفسیر وہابی'' کی تحریر کا سال ۱۰۸۷ھ ہی کو قرار دیا ہے۔ حیرت ہے کہ مذکورہ محققین نے ''تفسیر وہابی'' کے ترقیمے میں تحریر کردہ تاریخ تالیف پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم، ڈاکٹر عبدالحق (بابائے اردو) کی دی گئی تاریخ ۱۲۸۷ھ کو غلط ٹھہراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالحق کی نظروں میں مترجم جھوٹا ہے، اگر

www.shibliacademy.org

مصنف نے تاریخ صرف عدد میں لکھی ہوتی تو غلطی کا بھی احتمال ہوتا، لیکن یہاں تو مترجم (عبدالصمد) نے حروف میں ایک ایک لفظ صاف لکھا ہے، دن، مہینہ، تاریخ اور سن، سب کچھ ہے۔ پھر ڈاکٹر موصوف کو شک کیوں ہے۔ کہتے ہیں کہ زبان صاف ہے، ۱۰۸۷ھ مطابق ۱۶۷۶ء میں اتنی صاف اردو نہیں لکھی جاتی تھی..... تو اب یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ترجمہ قرآن عبدالصمد بن نواب عبدالوہاب خاں نے ۱۰۸۷ھ مطابق ۱۶۷۶ء میں نہیں لکھا۔'' (۳۸)

''تفسیر وہابی'' کا مذکورہ سنہ ۱۰۸۷ھ یکسر غلط اس لیے ہے کہ اس تاریخ میں مفسر قرآن عبدالصمد دلیر جنگ تو کجا ان کے والد محترم نواب عبدالوہاب نصرت جنگ بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ نواب عبدالوہاب کے برادر کلاں امیر الہند نواب محمد علی والا جاہ کی تاریخ ولادت اس دور کی معتبر و مستند تاریخی و سوانحی تصنیف ''توزک والا جاہی'' کے مطابق ۱۴ر شوال المکرم ۱۱۳۵ھ روز سہ شنبہ ہے۔ (۳۹) نواب موصوف کے چھوٹے بھائی نواب عبدالوہاب کی پیدائش ظاہر ہے ایک دو سال بعد مثلاً ۱۱۳۷ھ میں ہوئی ہوگی اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ نواب عبدالوہاب کی تاریخ وفات ۵ر ذی الحجہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء ہے۔ (۴۰) تو پھر کس طرح ۱۰۸۷ھ کو صحیح سنِ تالیف تسلیم کیا جائے گا۔

اب رہا دوسری رائے کا معاملہ تو اس رائے کے اعتبار سے ''تفسیر وہابی'' کی تحریر کا سال ۱۲۸۷ھ مطابق ۱۸۷۰ء ہے۔ اس کے مدعی بابائے اردو مولوی عبدالحق ہیں۔ انھوں نے اپنے گرانقدر مقالے ''پرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں'' میں اپنی دلیل پیش کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''سنہ ۱۰۸۷ھ جو اس (ترقیمے) میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ تزک والا جاہی، سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ بہادر نصرت جنگ، امیر الہند والا جاہ کے برادر حقیقی تھے، امیر الہند والا جاہ کی ولادت ۱۲۳۵ھ میں واقع ہوئی، اس لحاظ سے یہ سنہ صریحاً غلط ہے۔ غالباً ۱۲۸۷ھ ہوگا۔ زبان بھی اس کی اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی بلکہ صاف ہے اور تقریباً ویسی ہی زبان ہے جیسی آج کل جنوبی ہند میں مروج ہے۔'' (۴۱)

مولوی عبدالحق کے مذکورہ دلیل کی اصلاح کرتے ہوئے محقق شہیر مولوی نصیر الدین ہاشمی

www.shibliacademy.org

نے لکھا ہے کہ:

''والا جاہ امیر الہند کا سنہ ولادت لکھنے میں مولانا (عبدالحق) سے سہو ہو گیا ہے، ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ والا جاہ محمد علی خاں امیر الہند کا انتقال سنہ ۱۲۱۰ھ میں ہوا۔ جس پر آرکاٹ کے تمام مؤرخ مثلاً مصنف ''تزک والا جاہی'' ''قصر والا جاہی'' وغیرہ متفق ہیں۔ والا جاہ امیر الہند کے انتقال پر ان کے فرزند عمدۃ الامراء سنہ ۱۲۱۰ھ میں مسند نشین ہوئے اور سنہ ۱۲۱۶ھ میں ان کا انتقال ہو گیا..... بہر حال آرکاٹ کی صحیح اور معتبر تاریخوں سے یہ ثابت ہے کہ والا جاہ کا انتقال ۱۲۱۰ھ میں ہوا۔ اس لیے ان کی ولادت ۱۲۳۵ھ میں صحیح نہیں ہو سکتی۔ (۴۲)

مولوی نصیر الدین ہاشمی نے مولوی عبدالحق کے بیان سے اختلاف کے باوجود ان کی پیش کردہ تاریخ ۱۲۸۷ھ کو تھوڑے سے ردّ و بدل کے ساتھ قبول کر لیا۔ چنانچہ مولوی ہاشمی رقمطراز ہیں:

''افسوس ہے کہ ہم عبدالصمد کی ولادت اور انتقال کے سنہ سے واقف نہیں ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ۱۲۸۷ھ کے قبل ان کا انتقال ہو چکا تھا، ان کی علمی قابلیت عربی اور فارسی کی بڑی اچھی تھی، تصنیف و تالیف سے خاص دلچسپی تھی، ''تفسیر وہابی'' کے علاوہ ان کی ایک اور کتاب ''قصص الانبیاء'' بھی ہے جو ۱۲۳۴ھ میں تصنیف ہوئی ہے، کیونکہ ۱۲۳۴ھ میں لکھا ہوا اصلی نسخہ ہمارے خاندان میں موجود ہے۔ اگر ۱۲۳۴ھ میں عبدالصمد کی عمر چالیس سال بھی قرار دی جائے تو ۱۲۸۷ھ میں ان کی عمر ۸۳ سال ہوگی۔ اس عمر میں ''تفسیر وہابی'' جیسی ضخیم تفسیر کا تصنیف کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال میرے خیال میں ''تفسیر وہابی'' ۱۲۵۰ھ کے قریب کی تصنیف ہے۔ ۱۲۸۷ھ کو کتابت کا سنہ قرار دینا مناسب ہوگا۔'' (۴۳)

''قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک'' کے مصنف مولوی ہاشمی صاحب کا مذکورہ بالا بیان نقل کرنے کے بعد ان کی تائید کرتے ہوئے تفسیر غوثی کی بحث کے ضمن میں لکھا کہ ''تفسیر وہابی'' کے زمانے کے تعلق سے اس کی زبان و بیان کے علاوہ کچھ تاریخی شواہد کی بنا پر اس کو تیرھویں صدی کے نصف آخر (۱۲۵۰ھ) کی تفسیر قرار دیا گیا ہے۔ (۴۴)

www.shibliacademy.org

مولوی نصیرالدین ہاشمی صاحب کا اس بات پر افسوس ظاہر کرنا کہ انہیں 'عبدالصمدؒ' کی ولادت و وفات کی تاریخیں معلوم نہ ہوسکیں، بجا ہے اور یہ حقیقت پسندانہ اظہار بھی ہے، نفس واقعہ یہ ہے کہ مدراس (کرناٹک) کی تاریخ پر تحریر کردہ بعض اہم اور معتبر کتابوں تک ان کی رسائی ہو نہ سکی، جیسے ''تاریخ حفیظ اللہ خانی، مخطوطہ تصریح الانساب'' وغیرہ ہم نے سطور بالا میں لکھا ہے کہ نواب عبدالصمد شکوہ الملک خاں بہادر دلیر جنگ کی تاریخ وفات ''تاریخ حفیظ اللہ خانی'' میں ۹ر صفر المظفر ۱۲۲۹ھ مرقوم ہے اور ''تصریح الانساب'' میں ۱۰ر صفر المظفر ۱۲۲۹ھ درج کیا گیا، تاریخ کا یہ اختلاف شاید اس وجہ سے ہے کہ انتقال ۹ر صفر کو ہوا ہو اور تدفین ۱۰ر صفر کو عمل میں آئی ہو۔ بہرحال مفسر نواب عبدالصمد کا سنہ وصال بالاتفاق ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۳ء ہے اور مؤلف ''تصریح الانساب'' کی اطلاع کے مطابق مفسر نواب عبدالصمد کی آخری آرام گاہ قبرستانِ میلاپور، مدراس (چنئی) میں واقع ہے۔

علاوہ ازیں ''خلاصۃ الانساب'' میں جس کی تصنیف سنہ ۱۲۴۹ھ میں ہوئی تھی، نواب عبدالصمد دلیر جنگ کے نام کے ساتھ مرحوم لکھا گیا ہے۔ (۴۵) مزید برآں اس دور کے مشہور عالم و مؤرخ محمد حفیظ اللہ خاں بہادر حافظ یار جنگ (متوفی ۱۲۶۶ھ) نے اپنی مقتدر تالیف ''تاریخ حفیظ اللہ خانی'' (تصنیف شدہ ۱۲۵۳ھ) میں مفسر نواب عبدالصمد کو مرحوم کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ (۴۶) بہرحال ان تمام شواہد سے یہ حقیقت تسلیم شدہ ہوجاتی ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب کا قیاس اور ان کا یہ دعویٰ کہ ''تفسیر وہابی'' کا سال تحریر ۱۲۸۷ھ ہے۔ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ نواب عبدالصمد نے اپنی وفات ۱۲۲۹ھ سے بہت پہلے عین جوانی کے دوران ۱۱۸۷ھ میں قرآن مجید کی مکمل ضخیم تفسیر لکھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ جبکہ اس وقت تک قدیم اردو یعنی دَکنی میں قدیم ہندوستان کے طول و عرض میں کسی نے مکمل تفسیر تحریر نہیں کی تھی، جس کا اظہار انہوں نے اپنے خطبہ میں کیا ہے۔ اب رہا ''تفسیر وہابی'' کے ترقیمے میں مرقوم عربی عبارت کا حل، بظاہر جس سے ۱۰۸۷ھ کا گمان ہوا ہے، سہو کاتب کا نتیجہ ہے۔ دراصل عبارت میں ایک لفظ ''مأۃ'' کتابت کے وقت چھوٹ گیا تھا، مکمل جملہ حقیقتاً اس طرح ہونا چاہیے۔ ''فی شھر جمادی الثانی یوم السبت من عشرین ھذا الشھر سنہ ثمانین و سبع بعد المأۃ و الالف من الھجرۃ النبویۃ صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی یہ تفسیر ۲۰ر جمادی الثانی ۱۱۸۷ھ بروز شنبہ مکمل ہوئی۔

www.shibliacademy.org

مذکورہ بالا دلائل وشواہد کے علاوہ ہماری رائے کی تائید ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مقالے ''اردو تراجم و تفاسیر'' (ایک تاریخی جائزہ) سے بھی ہوتی ہے، جو سندھ یونیورسٹی، پاکستان میں ۱۹۶۶ء میں داخل کیا گیا۔ اس ضخیم معرکہ آرا مقالے میں ڈاکٹر محمد مسعود نے ''بارہویں صدی ہجری کی تفاسیر قرآن'' کے عنوان سے منتخب سورتوں پر مبنی تفاسیر کے تعارف کے بعد ''تفسیر وہابی'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ''سنہ ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں عبدالصمد دلیر جنگ نے چار ضخیم مجلدات میں ''تفسیر وہابی'' لکھی، (۱۶X9، ص ۱۶۷۲) اس تفسیر کا مخطوطہ سنٹرل اسٹیٹ لائبریری، حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔(۴۷) ڈاکٹر مسعود سے تفسیر کے جملہ صفحات کے بیان میں چوک ہوگئی ہے، مذکورہ تفسیر کے جملہ صفحات جیسا کہ ہم نے قبل ازیں لکھا ہے دو ہزار چھ سو تہتر (2673) ہیں نہ کہ ۱۶۷۲۔ ممکن ہے یہ کتابت کی غلطی ہو۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر محمد نجم الحق ندوی نے اپنے گرانقدر عربی مقالہ ''دراسة القرآن الكريم فی شبه القارة الهندية'' میں اٹھارویں صدی عیسوی کے قبل تحریر کردہ تین (۳) تفاسیر کا اجمالی ذکر کرتے ہوئے پہلا ہی نام ''تفسیر وہابی'' کا لیا ہے۔ مگر انہوں نے سال تصنیف کا تعین نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف رقمطراز ہیں۔

''ثلاث ترجمات للقرآن الكريم اللغات الهندية المحلية قبل قرن الثامن عشر الميلادی وهی ''التفسير الوهابی'' الذی قام به المفسر عبدالصمد بن نواب عبدالوهاب خاں باللغة الاردية۔''(۴۸)

برصغیر ہندو پاک میں قدیم اردو زبان میں اولین مکمل تفسیر رقم کرنے کا زریں موقع اللہ تعالیٰ نے نواب عبدالصمد دلیر جنگ کو عنایت فرمایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلسل محنت و ریاضت کے بعد ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں ''تفسیر وہابی'' تحریر کی، اس تفسیر سے پیشتر قدیم ہندوستان کے طول وعرض میں بزبانِ اردو جو اس وقت تمام ہندوستان میں رائج تھی، یہ کارنامہ کسی نے انجام نہیں دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ''تفسیر وہابی'' سے پہلے یا تو قرآن کریم کے صرف ترجمے ہوتے تھے یا بعض منتخب سورتوں کی تفسیریں معرض وجود میں آئی تھیں۔ مذکورہ حقائق کے باوجود بعض اہل قلم نے اپنی تحقیق کے مطابق اوّلیت کے تعلق سے مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی کا بیان ہے:

''اردو زبان میں سب سے پہلے قرآن پاک کا ترجمہ کس نے کیا؟ اس سلسلہ میں

www.shibliacademy.org

تاریخ نگار اور اردو کے وقائع نگار الگ الگ باتیں کہتے ہیں، بیشتر لوگ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کو خشت اول قرار دیتے ہیں، مگر صحیح بات یہ ہے کہ اردو زبان میں سب سے پہلے شمالی ہند میں مولانا معظم ناپھوی نے قرآن کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ۱۷۱۹ء/۱۱۳۱ھ میں لکھا گیا۔ اگرچہ مکمل نہیں تھا اور وہ بھی دہلی پر نادر شاہ کے حملے (۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء) کے دوران آتش زنی میں ضائع ہوگیا۔ اس سے پہلے کسی اردو ترجمہ قرآن کا پتہ نہیں چلتا۔'' (۴۹)

ڈاکٹر سعود عالم ہی کی طرح ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی میسوری نے بھی قرآن مجید کے ترجمہ کے آغاز کا سنہ ۱۱۳۱ھ کو قرار دیا ہے، انہوں نے مترجم کا نام قاضی محمد سنبھلی لکھا ہے۔ (۵۰) ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ''بارہویں صدی ہجری کی تفاسیر قرآن'' کے عنوان سے اپنے مقالے ''اردو تراجم وتفاسیر قرآن'' میں الگ باب قائم کرتے ہوئے اس بات کی اطلاع دی کہ ''۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء میں قاضی محمد معظم نے ''تفسیر ہندی'' لکھی جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ نورالحسن (بھوپال) میں موجود ہے۔ (۵۱) اور ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم نے ''اٹھارویں صدی کے چند غیر مطبوعہ تراجم'' کے عنوان سے اپنے مقالے ''قرآن حکیم کے اردو تراجم'' میں لکھا کہ ''قاضی محمد بن مفتی محمد اعظم سنبھلی نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کی تاریخِ ترجمہ ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء ہے۔ مخطوطہ بھوپال میں کتب خانہ نورالحسن میں موجود ہے۔'' (۵۲)

مذکورہ چاروں فاضلین کے بیانات میں سنہ ۱۱۳۱ھ میں اتفاق کے باوجود مصنف کے ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سعود عالم نے مخطوطہ ناقص ہونے اور اس کے تلف ہوجانے کی بات کہی ہے۔ ڈاکٹر مسعود نے اس کو تفسیر کہا ہے اور اس کا نام ''تفسیر ہندی'' بتایا ہے مگر ڈاکٹر صالحہ نے اس مخطوطے کو قرآنِ حکیم کا ترجمہ قرار دیا ہے۔ مزید برآں ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کے بیان کے مطابق قاضی محمد معظم بن مغنی محمد اعظم سنبھلی فرخ سیر کے عہد میں رائسین (بھوپال) کے قاضی تھے، قاضی صاحب کی یادگار ''تفسیر ہندی'' ہے جس میں آیات قرآنی کا مفہوم اردو میں بیان کیا گیا ہے۔ نسخہ نہایت ناقص ہے، ڈاکٹر صاحب کی اطلاع کے مطابق اصل نسخے میں تاریخ کتابت ۱۱۳۳ھ ہے۔ جس میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرۃ کی تفسیر اردو نثر میں لکھی ہے۔ قاضی صاحب کی نثر صاف، زبان سادہ اور دکھن کی آمیزش سے پاک ہے، البتہ اس میں ہندی کے عام فہم الفاظ زیادہ استعمال کیے گئے ہیں۔ (۵۳)، راقم الحروف

www.shibliacademy.org

سے فون پر گفتگو کرتے ہوئے مشہور محقق عالم دین مولانا نورالحسن کاندھلوی نے فرمایا کہ مذکورہ اطلاعات پوری طرح صحیح نہیں ہیں۔ یہ تفسیر قطعاً نہیں بلکہ چند سورتوں کا فقط ترجمہ ہے۔ جہاں تک برصغیر میں لکھے گئے قدیم ترین ترجمہ کا تعلق ہے۔ اس پر بھی اہل علم کی کوئی حتمی رائے موجود نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ''گجری'' یعنی گجراتی اردو میں تحریر کردہ سورۂ یوسف کے ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کا بیان ہے:

> ''اس قسم کی سب سے پرانی کتاب جو مجھے دستیاب ہوئی ہے، وہ پرانی گجراتی اردو زبان میں ہے افسوس ہے کہ اول و آخر سے ناقص ہے۔ اس لیے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ چلانا غیر ممکن ہے۔ البتہ زبان کے ڈھنگ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسویں صدی کے اواخر یا گیارہویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے۔ کیونکہ اس کی زبان امین کی ''یوسف زلیخا'' کی زبان سے کہ وہ بھی گجراتی اردو میں ہے، بہت پرانی ہے۔ امین کی ''یوسف زلیخا'' ۱۰۹۱ھ میں لکھی گئی اور یہ یقیناً اس سے پہلے کی ہے۔ یہ سورۂ یوسف کی تفسیر ہے۔ امین کی کتاب نظم میں ہے اور یہ نثر میں۔'' (۵۴)

اس موقع پر بعض جزوی تراجم و تفاسیر کا ذکر بے محل نہ ہوگا: ۱۔ ترجمہ پارۂ عم یتسآءلون (ناقص الاول و ناقص الآخر) جسے مولوی عبدالحق نے دسویں صدی ہجری کے اوائل کا کہا ہے۔ (۵۵) ڈاکٹر سید حمید شطاری کی رائے میں یہ اردو کا قدیم ترین ترجمہ ہے۔ (۵۶)

۲۔ تفسیر پارہ (سورہ) ہود، جس کا مخطوطہ بقول ڈاکٹر حمید شطاری کتب خانۂ آصفیہ میں موجود ہے۔ مولانا نصیرالدین ہاشمی نے اس ناقص الآخر مخطوطے کو مابعد گیارہ سو (۱۱۰۰ھ) کی تصنیف قرار دیا ہے۔ (۵۷)

۳۔ ''بصائر القرآن'' از نکہت شاہجہاں پوری، یہ تفسیر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی اطلاع کے مطابق ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱ء میں تحریر کی گئی جو ممبئی (ہند) سے شائع ہوئی۔ (۵۸) مگر اس کے مکمل یا نامکمل ہونے کی تصدیق نہیں کی گئی، ظن غالب یہی ہے کہ وہ چند منتخب سورتوں کی تفسیر ہوگی، یہ اس لیے کہ اس کی طباعت کا سنہ بھی بتایا نہیں گیا، اور اس مطبوعہ تفسیر کے متعلق ڈاکٹر حمید شطاری، ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم، ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی، ڈاکٹر محمد شکیل اوج، مولانا محمد عارف اعظمی عمری وغیرہ کسی بھی اہل قلم نے اس مطبوعہ تفسیر کا ذکر اپنی تصانیف میں نہیں کیا۔

۴۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے کئی ایک ایسی تفسیروں کا تذکرہ کیا ہے جو صرف چند سورتوں پر مشتمل

www.shibliacademy.org

ہیں، ان میں سے ایک سورۂ یٰس تا سورۂ الناس کی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر ۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں لکھی گئی تھی اور اس کا مخطوطہ کتب خانہ خاص، کراچی (پاکستان) میں موجود ہے۔ (۵۹)

۵۔ تفسیر حسینی، یہ تفسیر بقول مولوی عبدالحق ملا حسین واعظ کاشفی ہروی کی تفسیر میں سے پارۂ عم کا ترجمہ ہے، اس کی زبان قدیم ہے، ڈاکٹر حمید شطاری کی رائے میں یہ اواخر گیارہویں صدی یا بارہویں صدی کے اوائل کی تفسیر ہے۔ (۶۰)

۶۔ تفسیر مرادی معروف بہ ''خدائی نعمت''۔ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی کی اطلاع کے مطابق، شیخ مراداللہ سنبھلی خلیفۂ مظہر جانِ جاناں نے ۱۱۸۵ھ میں یہ تفسیر لکھی تھی، یہ نامکمل سورۂ بقرہ اور آخر کے دو پاروں پر مشتمل ہے، اس تفسیر کا ''پارۂ عم'' کا حصہ ۱۸۲۰ء میں پہلے شائع ہوا پھر مطبع نول کشور، وغیرہ سے متعدد بار زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ (۶۱)

۷۔ تفسیر مرتضوی (منظوم)، یہ پارۂ عم کا منظوم ترجمہ ہے جس کو شاہ غلام مرتضی جنونؔ الٰہ آبادی نے سنہ ۱۱۹۴ھ میں رقم کیا تھا اور یہ ۱۲۹۵ھ میں شائع بھی ہوا تھا۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ کتب خانۂ سالار جنگ، حیدرآباد میں موجود ہے۔ (۶۲)

۸۔ تفسیر غوثی۔ یہ بھی پارۂ عم کی تفسیر ہے اور ساتھ ہی تفسیر سورۂ فاتحہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کے سنہ تصنیف کے متعلق اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے، ڈاکٹر حمید شطاری کی رائے میں ۱۱۹۰ھ تا ۱۲۰۰ھ کے درمیان اس کی تصنیف ہوئی ہے۔ (۶۳) مفسر کا اسم گرامی سید محمد غوث قادری معروف بہ غوثی جامی آرکاٹی (متوفی ۱۲۲۵ھ) ابن افصحی بیجاپوری (متوفی ۱۱۶۵ھ) ہے۔ جناب غوثی حضرت سراللہ انتر جامی (متوفی ۱۱۷۱ھ) کے مرید اور علامہ باقر آگاہ (متوفی ۱۲۲۰ھ) کے دوست تھے۔ (۶۴)

۹۔ تفسیر تنزیل یا فوائد البدیہیہ۔ یہ تفسیر سید بابا قادری حیدرآبادی ابن سید شاہ یوسف قادری (متوفی تقریباً ۱۲۳۰ھ) کی تحریر کردہ ہے۔ اس کا سنہ تحریر کے متعلق مولوی عبدالحق کو اس کے ترقیمے کی عبارت کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ''تفسیر تنزیل'' کی تاریخ ۲۵ر ذی قعدہ ۱۱۴۷ھ بتائی ہے۔ غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ مولوی عبدالحق کے پاس جو نسخہ تھا وہ ناقص الاول تھا اور اس نسخے کے کاتب کے تسامح سے سنہ ۱۲۴۷ھ کے بجائے ۱۱۴۷ھ رقم ہوگیا۔ کتب خانۂ سالار جنگ کے مخطوطے کے ترقیمے سے آغاز تفسیر کا سنہ ۱۲۴۰ھ اور اختتام کا سنہ ۱۲۴۷ھ واضح ہوجاتا ہے۔ علاوہ

www.shibliacademy.org

ازیں بقول ڈاکٹر سید حمید شطاری یہ تفسیر آصف جاہ رابع نواب ناصر الدولہ میر فرخندہ علی خاں (متوفی ۱۲۷۳ھ) کے دور کی تفسیر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے:

> ''کتب خانہ سالار جنگ کے نسخے میں اس (ترقیمے) کے بعد اور بھی عبارت ہے جس سے مفسر کے زمانے کے تعین میں اور بھی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:.....درعہد ناصر الملۃ والدین نواب ناصر الدولہ بہادر ادام اللہ ملکہ واقبالہ وحفظہ اللہ الحافظ الحقیقی عنہ الآفات.....نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع تیرہویں صدی ہجری میں حکمراں تھے نہ کہ بارہویں صدی ہجری میں جیسا کہ مولوی عبدالحق کے نسخے میں لکھا ہے۔'' (۶۵)

الغرض گذشتہ صفحات میں پیش کردہ حقائق کے مدنظر یہ کہنا صحیح اور عین واقعہ ہے کہ مفسر قرآن نواب عبدالصمد دلیر جنگ (متوفی ۱۲۲۹ھ) ابن نواب عبدالوہاب نصرت جنگ (متوفی ۱۲۱۸ھ) کا تفسیری کارنامہ ''تفسیر وہابی'' برصغیر ہندو پاک میں تحریر کردہ قرآن مجید کے اردو تراجم وتفسیر میں سے مکمل وضخیم (۲۶۷۳ صفحات) اولین تفسیر ہے جو ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ء میں تحریر کی گئی تھی، اس سے پیشتر جس قدر تفسیری کاوشیں وجود پذیر ہوئیں وہ نامکمل اور منتخب سورتوں اور پاروں پر مبنی رہی ہیں۔ ''تفسیر وہابی'' اور اس کے مفسر عبدالصمد کے احوال وآثار سے صحیح جانکاری نہ ہونے کی وجہ سے مولوی عبدالحق (بابائے اردو) کے علاوہ بہت سے محققین نے یہ دعویٰ کیا کہ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۰ھ) ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کا ترجمہ مع توضیحات بنام ''موضح قرآن'' اردو زبان میں تحریر کردہ اولین مکمل ترجمۂ قرآن شریف ہے جو سنہ ۱۲۰۵ھ میں کئی سالوں کی محنت و ریاضت کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مثلاً ''تذکرۂ مفسرین ہند'' کے مصنف کا بیان ہے:

> ''شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر اپنے مقبول ومستند ترجمہ قرآن مجید کی بدولت محتاج تعارف نہیں ہیں، اردو زبان کا سب سے پہلا ترجمہ قرآن مجید ان ہی نے کیا اور آج بھی باوجود یہ کہ اس ترجمہ پر دو صدی کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس عرصے میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں مگر اس کے بعد بھی شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی اہمیت وافادیت پر کوئی حرف نہیں آیا ہے بلکہ تمام مترجمین ومفسرین بجا طور پر اسی کو ماخذ اوّل کی حیثیت دیتے ہیں۔'' (۶۶)

www.shibliacademy.org

ڈاکٹر محمد شکیل اوج رقمطراز ہیں:

''اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہ عبدالقادر دہلوی کے بامحاورہ ترجمہ قرآن مع مختصر حاشیے بنام ''موضح قرآن'' کو ہم اردو زبان میں پورے قرآن پاک کی پہلی مکمل کاوش کہہ سکتے ہیں جو کہ ''تفسیر مرادیہ'' کے پورے بیس سال بعد ۱۷۹۰ء/ ۱۲۰۵ھ کو مکمل ہوا۔ واضح رہے کہ شاہ رفیع الدین دہلوی کا لفظی ترجمہ ۱۷۷۶ء/ ۱۱۹۰ھ میں مکمل ہو گیا تھا مگر منظر عام پر پہلے آنے کا شرف شاہ عبدالقادر کے ترجمے کو حاصل ہوا۔'' (۶۷)

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''تاریخی طور پر صاحبزادگان ولی اللہ کے ترجموں کو سب سے قدیم اور باضابطہ ترجمے کہنا صحیح ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے پہلے یعنی بارہویں صدی ہجری سے پہلے قرآن کا کوئی اردو ترجمہ نہیں ہوا، یہ اور بات ہے کہ مطبوعہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رسائی ان تک نہ ہو سکی۔'' (۶۸)

شاہ عبدالقادر کے ترجمہ (مع توضیحات) ''موضح قرآن'' (۶۹) کے دوسرے ہی سال بعد ۱۲۰۶ھ میں ایک اور تفسیر بنام ''تفسیر حقانی'' معرض وجود میں آئی، جس کی اطلاع دیتے ہوئے مولوی عبدالحق صاحب رقمطراز ہیں:

''اسی زمانہ (۱۲۰۶ھ) میں ایک تفسیر مع ترجمہ لکھی گئی، جس کا نام ''تفسیر حقانی'' موسومہ ''حقانی'' ہے۔ اس کا ذکر جناب احسن صاحب مارہروی (متوفی ۱۹۴۰ء) اپنی ''تاریخ نثر اردو'' (۸۲ صفحہ) میں کیا ہے۔ اس کے مؤلف سید شاہ حقانی نبیرۂ شاہ برکت اللہ مارہروی ہیں۔ ترجمے کے ساتھ مختصر تفسیر بھی ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔'' (۷۰)

مذکورہ تفاسیر (موضح قرآن اور تفسیر حقانی) جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی کے عہد (۱۲۰۳ھ تا ۱۲۲۱ھ) میں لکھی گئی تھیں۔ اسی دور میں بادشاہ کے حکم سے شاہی طبیب خاص حکیم محمد شریف خاں (متوفی ۱۲۱۶ھ) بن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خاں نے بھی ایک تفسیر تحریر کی تھی۔ علاوہ ازیں شاہ عالم ثانی کے دور ہی میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ میں (Fort Williem College) جو ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں قائم ہوا تھا، جان گلکرسٹ (John Gilchrist) (متوفی ۱۲۵۷ھ) کی سرپرستی میں قرآن مجید کا مکمل

www.shibliacademy.org

ترجمہ کیا گیا جو ۱۲۱۸ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ ترجمہ کی خدمت کے لیے ایک جماعت مقرر تھی جس میں مولوی امانت اللہ، میر منشی میر بہادر علی، مولوی فضل اللہ اور کاظم علی جواں شامل تھے۔ مگر افسوس کسی وجہ سے یہ ترجمہ شائع نہ ہوسکا۔ (۷۱)

دور شاہ عالم ثانی کا ایک وسیع کارنامہ ''چراغ ابدی'' ہے۔ یہ پارۂ عم کی تفسیر ہے جو ۵۵۱ صفحات کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ''چراغ ابدی'' تاریخی نام ہے جس سے سنہ ۱۲۲۱ھ برآمد ہوتا ہے۔ اس ضخیم تفسیر کے مفسر شاہ عبدالعزیز قادری ہم رنگ اورنگ آبادی (مصنف مثنوی دودھ دلیا وفقہ منظوم) ابن شاہ میر عالم حسینی قادری نقشبندی ہیں، ان کی وفات ۱۲۶۸ھ سے قبل ہوچکی تھی، قاضی نورالدین فائق مصنف ''مخزن الشعراء'' (تصنیف شدہ ۱۲۶۸ھ) نے لکھا کہ شاہ ہم رنگ کا مزار بمبئی میں ہے۔ (۷۲)

''چراغ ابدی'' کو صحیح تفتیش و مکمل تحقیق نہ ہونے کی بنا پر مصنف ''تاریخ القرآن'' مولانا عبدالصمد صارم نے اردو کا سب سے پہلا ترجمہ قرار دیا ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے۔ (۷۳)

حاصل کلام یہ کہ ''تفسیر وہابی'' کی اوّلیت واقدمیت اس کے مکمل تفسیر قرآن پاک ہونے اور کافی ضخیم (۲۶۷۳ صفحات پر مشتمل) ہونے کے علاوہ اس کے سال تحریر (۱۱۸۷ھ) کی وجہ سے بھی ہے۔ جس کا بخوبی ادراک سطور بالا میں پیش کردہ دیگر مکمل تفاسیر کے اجمالی تذکرے اور مختصر تعارف سے ہوا ہوگا۔ انہیں آثار و قرآئن کے سبب راقم الحروف اپنی اس رائے میں حق بجانب ہے کہ ''برصغیر میں اردو کے اولین مفسر قرآن نواب عبدالصمد دلیر جنگ ہیں۔''

اس مقالے کے آخر میں ''تفسیر وہابی'' سے چند اقتباسات بغیر کسی انتخاب کے پیش کیے جارہے ہیں تاکہ تفسیر کی زبان، اسلوب اور اس کے مشتملات کا قدرے اندازہ ہوسکے۔

سورۂ اعراف کا ترجمہ و تفسیر ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''الٓمّٓصٓ: بعضے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اور بعضے کہتے ہیں کہ ایک ایک حرف سے ایک ایک اشارہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ اس سورہ کا نام ہے اور بعضے کہتے ہیں قرآن کا نام ہے ''کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ و

www.shibliacademy.org

صحبہ وسلم، یہ کتاب یعنی قرآن نازل کیے ہم تم پر اور تم اپنے دل کو تنگ مت کرو احکام پہنچانے سے اور لوگوں کے جھوٹ کہنے سے اور ڈراؤ تم کافروں کو اس کتاب سے اور نصیحت کرو مومنوں کو۔

''اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانان! پیروی کرو تم اس قرآن کی کہ تمہارا رب نازل کیا ہے اور دوسروں کی پیروی مت کرو اور جب تم دوسروں کی پیروی کرو گے تو ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو انکار کیے تم۔''

''وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ'' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیتے گانواں اور کیتے شہراں ہم ہلاک کیے، جب ہمارا عذاب ان لوگوں پر آیا تب اولوگ گھروں میں دو پہر رات کے وقت سوئے تھے، یک بیک سب مر گئے اور یہ احوال لوط علیہ السلام کی امت کا ہے اور بعضوں پر جب عذاب آیا تب وہ لوگ دو پہر دن کے وقت سوئے تھے، اوسب اوسی حالت میں یک بیک مر گئے۔

''يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ص وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم، مسلماناں تم سے سوال کریں گے کہ لوٹ کے مال میں ہمارا حق ہے یا نہیں ہے، تم جواب دیو کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور میرے حوالے کیا ہے جسے میں چاہوں گا اسے دیونگا، تم آپس میں حصہ مت کرو اور اگر تم مسلمان ہیں تو اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی''۔(۷۴)

مذکورۂ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوجائے گی کہ مفسر عبدالصمد کی زبان دکنی دور کے اختتام کی زبان ہے اور اس میں سلاست وروانی پائی جاتی ہے۔ طرز ادا میں الجھاو نہیں ہے۔ راقم کو امید ہے کہ ان شاء اللہ ''تفسیر وہابی'' اور اس کے مفسر نواب عبدالصمد دلیر جنگ پر تحقیق کا سلسلہ اہل قلم حضرات جاری رکھیں گے۔ وما علینا الا البلاغ

☆☆☆

www.shibliacademy.org

مآخذ وحواشی

(۳۲) عبدالصمد نواب دلیر جنگ ''تفسیر وہابی'' مخطوطۂ مخزونیہ گورنمنٹ میانسکرپٹ لائبریری (کتب خانہ آصفیہ) عثمانیہ یونیورسٹی کیمپس، حیدرآباد، ص ۲۔

اس عبارت میں راقم الحروف نے رموز اوقاف (کاما وغیرہ) لگائے ہیں، ورنہ اصل مخطوطے میں یہ سب نہیں ہیں، مخطوطہ راقم کی نظر سے گزرا ہے۔

(۳۳) مخطوطہ ''تفسیر وہابی''، ص ۴۲۔ (۳۴) عبدالصمد صارم مولوی قاضی، ابوالکمال حیدرآبادی، تبیان الراسخ معروف ''تاریخ التفسیر'' مطبوعہ جید برقی پریس، بلی ماران، دہلی ۱۳۵۵ھ ص ۸۴، تاریخ التفسیر کے زیر اکس کے لیے راقم محترم ریاض احمد خاں اکولہ (مہاراشٹر) کا شکرگزار ہے۔ (۳۵) صالحہ عبدالحکیم ڈاکٹر ''قرآن حکیم کے اردو تراجم''، شرف الدین الکتبی واولادہٗ محمد علی روڈ، ممبئی، مطبوعہ ۱۹۸۴ء ص ۸۲۔ (۳۶) اورنگ زیب اعظمی ڈاکٹر ''بدایۃ ترجمہ القرآن فی شتی اللغات'' الفصل الاول فی کتاب ''ترجمات معانی القرآن الانجلیزیہ'' دراسۃ نقدیہ و تحلیلہ ۱۹۳۰م حتی ۲۰۰۱م مکتبہ التوبہ، ریاض الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء ص ۶۳-۶۴۔ (۳۷) محمد افضل خاں، ''قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر'' ماہنامہ ''اردو دنیا'' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی جلد ۱۵، شمارہ ۷، جولائی ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۔ (۳۸) ''قرآن حکیم کے اردو تراجم'' ص ۸۲-۸۳۔ (۳۹) ''توزک والاجاہی'' ص ۱۵۶۔ (۴۰) ایضاً ص xxiii کتاب کے اختتام پر خاندانی شجرے علاحدہ دیے گئے ہیں۔ اسی میں وفات کی تاریخ مرقوم ہے۔ (۴۱) عبدالحق مولوی بابائے اردو، پرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں، رسالہ ''اردو'' جنوری ۱۹۳۷ء حیدرآباد (دکن) ص ۱۵۶۔ (۴۲) نصیرالدین ہاشمی مولوی، مضمون کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) میں ''اردو قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں'' مطبوعہ رسالہ اردو، بابت جنوری ۱۹۵۴ء بحوالہ ''قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک'' ص ۳۷۹۔ (۴۳) حمید شطاری ڈاکٹر ''قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی مطالعہ ۱۹۱۴ء تک'' نظامس اردو ٹرسٹ حمایت نگر، حیدرآباد، مطبوعہ ۱۹۸۲ء ص ۳۸۰۔ (۴۴) ایضاً ص ۳۷۵۔ (۴۵) ''خلاصۃ الانساب'' ص ۹۸۔ (۴۶) ''تاریخ حفیظ اللہ خانی'' ص ۸۔ (۴۷) محمد مسعود احمد ڈاکٹر ''اردو تراجم و تفاسیر قرآن'' (ایک تاریخی جائزہ) مطبوعہ ''فکر و نظر'' انٹرنیشنل یونیورسٹی آف اسلام آباد، ۱۹۷۵ء: ۱۲ مقالے کا زیر اکس شدہ نسخہ راقم الحروف کو محترم ڈاکٹر وسیم خاں صاحب اکولہ (مہاراشٹر) کے توسط سے حاصل ہوا، راقم ڈاکٹر صاحب کا شکرگزار ہے، ص ۳۳۹۔

www.shibliacademy.org

(۴۸) محمد نجم الحق ندوی ڈاکٹر ''دراسة القرآن الکریم فی شبه القارة الهندیه (بین عرض و تقریر)'' مطبوعہ ''ضیائے تحقیق'' شمارہ۹، شعبۂ علوم اسلامی و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، ص ۱۳۷۔ (۴۹) محمد سعود عالم قاسمی ڈاکٹر ''منہاج ترجمہ وتفسیر'' فاران اکیڈمی، اقرأ کالونی علی گڑھ مطبوعہ ۲۰۰۲ء، ص ۲۰۔ (۵۰) قدرت اللہ سید شاہ حسینی قادری باقوی میسوری ڈاکٹر ''فن تفسیر'' دار قدرت ۱۵۵، ادے گری، میسور، مطبوعہ ۲۰۰۶ء، ۱۴۲۷ھ، ص ۲۹۵۔ (۵۱) اردو تراجم وتفاسیر قرآن (ایک تاریخی جائزہ)، ص ۳۲۸۔ (۵۲) ''قرآن حکیم کے اردو تراجم'' ص ۸۵۔ (۵۳) ڈاکٹر سلیم حامد رضوی ''اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ'' مطبوعہ ۱۹۶۵ء مذکورہ کتاب کے بعض ضروری اوراق کی زیر کس کاپی راقم کو مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کے توسط سے حاصل ہوئی، راقم مولانا کا شکر گزار ہے۔ (۵۴) ''پرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں'' رسالہ اردو جنوری ۱۹۳۷ء، ص ۱۲۲۔ (۵۵) ایضاً ص ۱۲۴۔ (۵۶) ''قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کا تنقیدی جائزہ ۱۹۱۴ء تک'' ص ۴۴۔ (۵۷) ایضاً ص ۸۳۔ (۵۸) ''اردو تراجم و تفاسیر قرآن (ایک تاریخی جائزہ)'' ص ۳۲۸۔ (۵۹) ایضاً ص ۳۲۸۔ (۶۰) ''قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی جائزہ ۱۹۱۴ء تک'' ص ۶۵۔ (۶۱) ''منہاج ترجمہ وتفسیر'' ص ۲۰۔ (۶۲) قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی جائزہ ۱۹۱۴ء تک'' ص ۱۱۳۔ (۶۳) ایضاً ص ۳۶۶ (۶۴) محمد علی اثر ڈاکٹر ''معجم دکنیات'' (جلد اول) الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد سنہ ۲۰۲۰ء ص ۲۶۳۔۲۶۹، غوثی آرکاٹی کا مزار اپنے شیخ حضرت انتر جامی کے مزار کے روبرو ہے۔ (۶۵) ''قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی جائزہ ۱۹۱۴ء تک'' ص ۲۸۷۔ (۶۶) ''تذکرۂ مفسرین ہند'' مرتبہ محمد عارف اعظمی عمری، دار المصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ مطبوعہ ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۲۔ (۶۷) ''قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ'' ص ۲۲۔۲۳۔ (۶۸) ''قرآن حکیم کے اردو تراجم'' ص ۸۱۔ (۶۹) ''موضح قرآن'' تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۰۵ھ کے اعداد نکلتے ہیں، بعض اہل قلم نے اسے ''موضح القرآن'' سمجھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ''ال'' کی شمولیت کی وجہ سے ان اعداد میں ۳۱، کا اضافہ ہو جائے گا۔ (۷۰) ''پرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں'' ص ۱۳۵۔ (۷۱) ایضاً، ۱۳۸۔۱۳۹۔ (۷۲) محمد علی اثر ڈاکٹر ''معجم دکنیات'' (جلد دوم) مرتبہ ڈاکٹر راحت سلطانہ، الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد مطبوعہ ۲۰۲۰ء، ص ۲۶۳۔ (۷۳) ''قرآن مجید کے اردو تراجم وتفاسیر کا تنقیدی مطالعہ، ۱۹۱۴ء'' ص ۲۲۔ (۷۴) مخطوطے کے خط میں کاف فارسی ''گ'' کو کاف (ک) اور ''یے'' کو ''ی'' لکھا ہوا ہے۔

www.shibliacademy.org

تقسیم ہند کی تاریخ نویسی کے بعض پہلوؤں پر ایک مختصر تعارفی نوٹ

پروفیسر محمد سجاد

برصغیر کی تقسیم کی تاریخ نویسی کو سمجھنا ایک پیچیدہ معاملہ ہے۔ اس کے لیے کسی ایک فرد یا جماعت کو ذمہ دار ٹھہرانا، تاریخی اعتبار سے نامناسب ہوگا۔ تاریخ کی کتابوں میں برطانوی حکومت، مسلم لیگ، ہندو مہاسبھا، کانگریس، سبھی پر تقسیم کا الزام عائد کیا گیا اور اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

یہ سچ ہے کہ مسلم لیگ نے الگ ملک کا مطالبہ کیا، اور یہ مطالبہ انگریزی حکومت نے بالآخر مان لیا۔ محض اس بنیاد پر، سارا الزام صرف مسلم لیگ پر رکھنا، اور پھر، سبھی مسلمانوں کو، مسلم لیگ ہی کے زمرہ میں مان لینا، ایک صریحاً ناانصافی ہے۔ بھارت کا بٹوارہ مقابلہ جاتی فرقہ پرست سیاست (Competitive Communal Politics) کی وجہ سے ہوا۔ اور اس سیاست پر قابو پانا یا اس کو مزید ہوا دینے کا اختیار، یعنی ریاستی طاقت، انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ فرقہ پرست سیاست محض مسلم لیگ تک محدود نہیں تھی۔

ملک کا بٹوارہ انگریزی حکومت کی موجودگی میں ہی ہوسکتا تھا۔ انیتا اندر سنگھ (۱۹۸۷) کی کتاب Origins of the Partition میں اس کی وضاحت زیادہ بہتر ڈھنگ سے کی گئی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ گرچہ برطانیہ کا لانگ ٹرم اسٹریٹیجک مفاد تقسیم کے خلاف تھا، لیکن شارٹ ٹرم حکمت عملی میں، دوسری جنگ عظیم کے بعد برصغیر کو آزادی دینا ان کی مجبوری اور اس کو تقسیم کروانا ان کے مفاد میں تھا اور اس مفاد کے پیش نظر ہی ملک کا بٹوارہ کیا گیا۔

شعبۂ تاریخ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، فون: ۹۴۱۲۶۵۳۵۱۵۔

www.shibliacademy.org

واضح رہے کہ ونائک دامودر ساورکر (۱۹۶۶-۱۸۸۳) نے انڈمان میں، جیل میں قید رہتے ہوئے، ۱۹۱۷ء میں ہی اپنی کتاب ''ہندوتو'' لکھ لی تھی، جسے ۱۹۲۳ء میں شائع کیا گیا اور ۱۹۳۸ء میں باضابطہ طور پر دوقومی نظریہ پیش کر دیا۔ ساورکر نے مسلمانوں اور بودھ کے خلاف اپنی شدید ترین نفرت کا اظہار اپنی کتاب Six Glorious Epochs in History میں بھی کیا جو سب سے پہلے مراٹھی میں ۱۹۶۰ء کے بعد لکھی گئی اور جس کے دو انگریزی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ساورکر سے قبل چندر ناتھ بسو (۱۹۱۰-۱۸۴۴ء) نے بھی بنگالی زبان میں ایک کتاب، ''ہندوتوا (۱۸۹۲ء)'' شائع کی تھی۔ وہ بنکم چندر چٹرجی (۱۸۹۴-۱۸۳۸ء) کے رسالہ بنگ درشن سے منسلک تھے۔

ایسی باتیں پہلے بھی لالہ لاجپت رائے (۱۹۲۸-۱۸۶۵ء) ''دی ٹریبون'' میں، ۱۴؍دسمبر ۱۹۲۴ء کو لکھ چکے تھے، جس میں بھارت میں چار مسلم صوبوں کو قائم کرنے کی بات کہی تھی اور اس طرح بھارت کو مسلم اور غیر مسلم خطوط پر بانٹنے کی بات رکھ دی تھی۔

یہاں تک کہ اس کا کچھ اعتراف آر سی مجمدار اور اے کے مجمدار (۱۹۶۹ء) جیسے تاریخ نویسوں نے بھی ضمنی طور پر کیا ہے: فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم ملک کے خیال کا وجود میں آنے کی ایک بڑی وجہ ہندو مہاسبھا بھی تھی (Struggle for Freedom، ص ۶۱۱)

علاحدگی پسندی کی اس فرقہ پرست سیاست کی مخالفت اور مزاحمت میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی کمربستہ تھی۔

اس کے باوجود بھارت میں، ایک عام تاثر ایسا بنایا گیا کہ تقسیم کا پورا الزام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا۔ ایسا نہ صرف اکادمک حلقوں میں رہا، بلکہ اس مفروضہ کو مقبول عام بھی کر دیا گیا۔ دراصل سبھی ملکوں میں ان کے نیشنلزم کی ایک سیاست ہوتی ہے، اور اس سیاست کے تحت ہی تاریخ کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح تاریخ نویسی میں جس دیانت داری کے ساتھ غیر جانبداری برتنی چاہئے، وہ اکثر نہیں ہو پاتی۔

جمعیۃ العلماء ہند، مولانا آزاد، خان عبدالغفار خان، جیسے افراد اور ان کی تنظیموں/ جماعتوں کے علاوہ، امارت شرعیہ اور اس کے بانی مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد (۱۹۴۰-۱۸۸۰ء) مولانا حفظ الرحمٰن

www.shibliacademy.org

سیوہاروی (۱۹۰۱-۱۹۶۲ء)، طفیل احمد منگلوری (۱۸۶۸-۱۹۴۶ء)، مغفور احمد اعجازی (۱۹۰۰-۱۹۶۶ء) اوران کے بڑے بھائی (۱۸۹۷-۱۹۶۹ء)، جیسے لاتعداد لوگ اوران کی جماعتیں تھیں جنہوں نے تقسیم کی مخالفت بڑے شدومد کے ساتھ کی تھی۔

اگر ہم تقسیم کو محض اقتدار میں متناسب نمائندگی اور شرکت کی لڑائی ہی تصور کریں تو اس پیچیدہ مسئلے کو موتی لال نہرو رپورٹ (۱۹۲۸ء) سے دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ اسی دہائی میں بلدیاتی اداروں میں مختلف گروپس کی نمائندگی کے تناسب کے سوال کو لے کر فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھنا شروع ہوگئی تھی۔

ہندوستانی تاریخ نویسوں میں اوما کوڑ کی کتاب، مسلمس اینڈ انڈین نیشنلزم (۱۹۷۷ء) شاید ان اولین کتابوں میں سے ہوگی جس میں مسلمانوں پر عائد کیے گئے ان الزامات پر سوال کھڑا ہونا شروع ہوگیا۔ اوما نے کہا ہے کہ بٹوارے کی لکیر تب زیادہ گہری ہوگئی جب ۱۹۲۹ء میں موتی لال نہرو رپورٹ کی سفارشوں کو ماننے کا وعدہ کرکے ہندو مہاسبھا والے پھر فوراہی اس وعدے سے مکر گئے۔ اور اس طرح کانگریس کو بھی مایوس اور شرمندہ کردیا۔ موتی لال نہرو رپورٹ کی سفارشات میں ایک سفارش یہ بھی تھی کہ سنٹرل اسمبلی میں مسلمانوں کی ۳۳ فیصد نمائندگی ہوگی۔ یعنی ہر تیسری نشست مسلمانوں کے لیے ریزرو ہوگی اور جداگانہ طریقہ انتخاب Separate Electorate کے بجائے مخلوط طریقہ انتخاب Joint Electorate نافذ اور رائج کیا جائے گا۔

عائشہ جلال، دی سول اسپوکس مین (۱۹۸۵ء) نے لکھا ہے کہ ۱۹۳۸ء آتے آتے، جناح مسلمانوں کے واحد ترجمان (Sole Spokesman) بن گئے، کیوں کہ وہی مسلمانوں کے مطالبات کو زیادہ پرزور طریقے سے رکھ پارہے تھے۔

جب کہ چارو گپتا نے اپنی کتاب Sexuality, Community and Obscenity (۲۰۱۱ء) میں لکھا ہے کہ کانگریس کے اندر والے ہندو وادی اور ہندو مہاسبھا کے نیتا جس طرح بھارت ماتا، ماتری بھاشا اور گئو ماتا کے نعرے لگارہے تھے، اس سے اکثریت کے غلبہ کا ماحول بن رہا تھا اور اس میں مسلمانوں کے درمیان عدم تحفظ کا احساس پیدا ہونا غیر فطری نہیں تھا۔

تنیکا سرکار بھی اپنے مضمون (EPW ۴ ستمبر ۱۹۹۳ء) میں لکھتی ہیں کہ نیشنلزم کی کئی facets تہیں تھیں۔ جن لوگوں کو دوسرے مغلوب گروپس پر حاوی ہونے کی نیت تھی اور برطانوی حکومت سے

www.shibliacademy.org

لڑنے کے بجائے ان سے ہاتھ ملائے بیٹھے تھے، ان اکثریت پرست طاقتوں نے ملک کے بٹوارے میں زیادہ ہاتھ بٹایا ہے۔

ٹی سی اے راگھون نے اپنے مضمون، (۹/اپریل EPW ۱۹۸۳ء) میں یہ لکھا ہے کہ ۱۹۱۹ء کے بعد دیہی پنجاب اور مغربی بھارت میں نئے دولت مند لوگوں کو حق رائے دہندگی عطا کی۔ اس سے پہلے سے غالب ہندو شہری طبقے کو ایک خطرہ محسوس ہوا کہ تعلیم، سرکاری نوکری، اور کچہریوں میں ان کا غلبہ کم ہو جائے گا۔ میاں فضل حسین کی یونینسٹ پارٹی کی پنجاب وزارت نے ۱۹۳۷ء کے بعد سے کئی ایسے قانون پاس کیے جن سے ہندو تجارت پیشہ طبقے کو بھی خطرہ محسوس ہوا۔ اقتدار پر ان کی پکڑ کمزور دکھائی دینے لگی اور وہ لوگ اب ہندو فرقہ پرست تنظیموں کی طرف اور زیادہ مائل ہونے لگے۔ اس عمل کی مزید توضیح و تفصیل نیتی نائر کی کتاب، چینجنگ ہوم لینڈس، (۲۰۱۱ء) میں بہتر طور پر پیش کی گئی ہے۔

راگھون کے مذکورہ مضمون کے مطابق پنجاب ہی کی طرح مغربی بھارت میں بھی غیر برہمن کنبی کسانوں کی نمائندگی صوبائی کونسل میں بڑھ گئی اور اس سے برہمنوں کی مراعات کو ایک جھٹکا لگا اور وہ ہندوتو اور سنگھٹن جیسی باتیں کرنے والی تنظیموں کی طرف مائل ہونے لگے۔ یہ روش مزید توانا ہو گئی جب ہریجنوں کو پونا معاہدہ کے تحت محفوظ نشستیں مل گئیں۔

یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ ۱۹۳۲ء میں جب گاندھی امبیڈکر سمجھوتہ پونا میں ہوا تھا تو اس پر ہریجنوں کے لیے جو ۱۴۷ نشستیں محفوظ کی گئی تھیں، اس سے اونچی ذات کے ہندو ہی نہیں بلکہ مسلمانوں میں بھی بے چینی اور کھلبلی ہو گئی تھی۔ اس کی وضاحت، ولیم گولڈ نے اپنے مضمون (ماڈرن ایشین اسٹڈیز، جلد ۳۹، شمارہ ۴، ۲۰۰۵ء) میں مغربی اتر پردیش کے حوالے سے کیا ہے۔ خفیہ پولیس رپورٹ کے حوالے سے ولیم گولڈ لکھتے ہیں کہ دسمبر ۱۹۳۲ء اور مئی ۱۹۳۳ء میں لکھنؤ، کانپور، مظفر نگر، بجنور اور میرٹھ میں مسلمانوں نے بھی ہریجنوں کے اقتصادی بائیکاٹ کی بات کی تھی اور خاص طور سے اس کام کو انجام دینے کے لیے بجنور اور میرٹھ میں ایک تنظیم ''انجمن اسلام'' قائم کی گئی تھی۔

تاریخ نویس جویا چٹرجی (بنگال ڈیوائیڈیڈ ۱۹۹۵ء) لکھتی ہیں کہ ۱۹۳۲ء کے بعد بنگال کے ہندو مسلم تصادم میں شدت آنے لگی اور اس سے تقسیم ملک کے لیے فضا ہموار ہوتی رہی۔ دراصل بنگال صوبے کی تقسیم ۱۹۰۵ء میں مذہب کی بنیاد پر کی گئی اور اس طرح انگریزوں نے فرقہ وارانہ سیاست کو

www.shibliacademy.org

خوب ہوا دیتے ہوئے ۱۹۰۹ء میں جداگانہ طریقۂ انتخاب کے معرفت اس فرقہ واریت کو ادارہ جاتی سطح پر فروغ دینا شروع کر دیا تھا۔

جویا چٹرجی لکھتی ہیں: مشرقی بنگال (اب بنگلہ دیش) میں فضل الحق (۱۸۷۳-۱۹۶۲ء) کی کرشک پرجا پارٹی کا اثر بڑھتا جا رہا تھا اور پونا معاہدہ (۱۹۳۲ء) کے بعد ہریجنوں کے لیے نشستیں ریزرو ہوئیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ اونچی ذات کے ہندوؤں یعنی بھدرلوک کا غلبہ کم ہونے لگا اور ایسا خسارہ انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ نتیجتاً بنگال کے بھدرلوک نے برٹش مخالف کے بجائے مسلم مخالف سیاست کا رخ اختیار کر لیا۔

ولیم گولڈ (ہندو نیشنلزم اینڈ دی لینگویج آف پالیٹکس ۲۰۰۵ء) نے لکھا ہے کہ اتر پردیش میں کانگریس کے بڑے رہنما، مثلاً، پروشوتم داس ٹنڈن (۱۸۸۲-۱۹۶۲ء)، سمپورنانند (۱۸۹۱-۱۹۶۹ء) اور گوبند بلبھ پنت (۱۸۸۷-۱۹۶۱ء) کا جھکاؤ ہندو وادی سیاست کی جانب ہی تھا اور اس وجہ سے بھی مسلمانوں کا Alienation ہو رہا تھا۔

دوسری جانب کچھ تحقیقات ایسی بھی ہیں جن میں اتر پردیش کے مسلم خواص میں علاحدگی پسندی کی سیاست کے تئیں لگاؤ کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایسی بات سب سے پہلے فرانسس روبنسن، Separatism Among Indian Muslims-1974 نے کی تھی، ان سے بھی قبل ان کے استاد انیل سیل نے اپنی کتاب، ایمرجنس آف انڈین نیشنلزم، کے آخری لیکن طویل باب میں بھی کی تھی)، لیکن انہیں باتوں کو پھر سے وینکٹ دھولیپالا نے اپنی کتاب Creating New Medina-2015 میں مزید وضاحت کے ساتھ لکھ دیا۔ روبنسن نے اپنی تحقیق کو ۱۸۶۰ء سے ۱۹۲۳ء کے درمیان محدود رکھا تھا۔ دھولی پالا نے اسے ۱۹۴۷ء تک وسعت دے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ اتر پردیش کے تعلق دار اور رئیس اور کچہری سے منسلک خواص کو لگنے لگا تھا کہ نئے برطانوی عہد میں انہیں اپنے رتبے کو برقرار رکھنا مشکل ہوگا اور اس لیے انہوں نے علاحدگی پسند سیاست کو ہی فروغ دیا۔ روبنسن کے مقابلے دھولی پالا نے یہ کیا ہے کہ مسلم لیگ کی مخالفت میں صف آرا مسلم راہنماؤں، مثلاً حفظ الرحمٰن سیوہاروی، طفیل احمد منگلوری، وغیرہ کی مدلل اور مفصل تحریروں سے بھی استفادہ کیا ہے اور دوقومی اصول کی مخالفت کرنے والے لیڈروں کا ذکر بھی تفصیل سے کیا ہے۔ اس پہلو پر دھولی پالا سے قبل بہار کے تعلق سے مفصل اور

www.shibliacademy.org

اتر پردیش کے تعلق سے مختصراً راقم کی کتاب ''مسلم پالیٹکس ان بہار (۲۰۱۴ء)'' میں بھی کی گئی ہے۔

مشیر الحسن کی ادارت میں شائع تحقیقی مضامین کا مجموعہ India's Partition وینیتا دامودرن کی کتاب (Broken Promises-1992) پاپیا گھوش (۱۹۵۳-۲۰۰۶ء) کی کتاب (Community and Nation) میں مورخین نے یہ واضح کیا ہے کہ ۱۹۳۷ء میں کانگریس کی صوبائی وزارت کے عہد میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی جانب کے فرقہ پرست عناصر اقتدار میں اپنی اپنی حصہ داری بڑھانے کی غرض سے مقابلہ جاتی طور پر اپنا اثر بڑھانے کی مہم میں لگ گئے۔ یہی مہم ۱۹۴۰ء کے بعد مزید تلخ ہوتی چلی گئی۔ کانگریس وزارتوں کے خلاف جب یہ الزامات عائد ہونے لگے کہ مسلمانوں کے خلاف امتیاز برتا جارہا ہے، تب کانگریس سے منسلک مسلم رہنماؤں کا اثر مسلم عوام پر معدوم ہونے لگا اور لیگ کا اثر گہرا ہونے لگا۔

وینیتا دامودرن اور پاپیا گھوش کے علاوہ راقم کی ۲۰۱۴ء میں شائع دو کتابوں (ایک، بہار کے تعلق سے مسلم پالیٹکس ان بہار اور دوسری مظفر پور کے مسلمانوں کے تعلق سے Contesting Colonialism and Separatism میں بھی کانگریسی وزارت کے عہد (یعنی ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء) میں مسلم مخالف امتیازات کی مثالیں مع ثبوت پیش کی گئی ہیں۔ کانگریس کی صوبائی وزارتوں کے تحت ایسے امتیازی برتاؤ کی سچائی کو مبالغہ آمیز بنا کر مسلم لیگ نے اپنی سیاست چمکائی لیکن یہاں پر غور کرنے والی بات یہ ہے کہ برطانوی حکومت ہی مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا دونوں کی بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر حوصلہ افزائی کررہی تھی۔ ان دونوں جماعتوں کا براہ راست انگریزی حکومت سے تصادم ہونے کے بجائے ان کا ٹکراؤ کانگریس سے زیادہ تھا جو خود انگریزوں سے لڑ رہی تھی۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں جب بھارت چھوڑو آندولن کی وجہ سے کانگریسی رہنماؤں کو جیل میں قید کیا جانے لگا تب بنگال، سندھ اور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کی مشترکہ حکومتیں قائم کی جانے لگیں اور انگریزی حکومت نے ان کی خوب خوب مدد کی۔ انہیں وزارتوں میں ہندو مسلم کشیدگی مزید بڑھا کر ان کے آپسی تعلقات کو تلخ تر کردیا گیا۔

اس پہلو کو زیادہ واضح طور پر اجاگر کیا ہے، ہارورڈ یونیورسٹی کی مورخ، شنا ائیر نے، اپنے ایک مضمون میں (ماڈرن ایشین اسٹڈیز، جلد ۴۲، شمارہ ۶، ۲۰۰۸ء) انہوں نے لکھا ہے کہ جولائی ۱۹۴۰ء

www.shibliacademy.org

میں جیسے ہی فضل الحق اور سکندر حیات خاں تیوانہ نے فرقہ وارانہ کشیدگی پر گفت وشنید اور مفاہمت کی غرض سے کانگریس سے رابطہ قائم کرنا شروع کیا، جناح کی بوکھلاہٹ ظاہر ہونے لگی۔ جناح اور حق کے درمیان بڑھتی کشیدگی کا خلاصہ حق اور لیاقت علی خاں کے درمیان ہوئے مراسلوں میں بھی ہے، جن کا حوالہ ثنا ائیر نے دیا ہے۔ بنگال کے گورنر، ہربرٹ، فضل الحق اور ہندو مہاسبھا کے درمیان کشیدگی بڑھا کر ان کی وزارت کو گرا کر خواجہ ناظم الدین (۱۸۹۴-۱۹۶۴ء) کی وزارت قائم کرنے کی سازشیں لگاتار کرنے لگے، اور اپریل ۱۹۴۳ء میں کامیاب بھی ہو گئے۔ یعنی انگریز گورنر نے جناح کی خوب مدد کی۔ ہربرٹ نے فضل الحق کی پکڑ مسلم لیگ پر کم سے کم تر کرنے میں اپنا رول خوب نبھایا۔ اس پہلو کو ثنا ائیر کے مضمون نے بہ خوبی اجاگر کیا ہے۔

رام منوہر لوہیا (۱۹۱۰-۱۹۶۷ء) نے اپنے ایک کتابچہ ''تقسیم ہند کے گناہ گار (۱۹۶۰ء)'' میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کانگریس کے کئی بڑے رہنما بہ شمول نہرو نے اقتدار کی بھوک میں ملک کی تقسیم کروادی۔ کئی مورخین کی نظر میں یہ ایک غیر ذمہ دارانہ الزام تراشی ہے جس میں برطانوی رول سے چشم پوشی کی کوشش کی گئی ہے اور المیہ یہ ہے کہ ایسی دلیلوں کو سنگھ پریوار کے حلقے میں زیادہ سنجیدگی سے قبول کیا جاتا ہے۔ لوہیا نے ہندو مہاسبھا جیسی طاقتوں اور اس جیسا نظریہ رکھنے والے کانگریسیوں کے رول پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔ ساورکر، مونجے، ہیڈگیوار، گولوالکر، اور شیاما پرساد مکھرجی، جیسے لوگوں کے رول پر بھی کوئی خاص تبصرہ نہیں کیا ہے۔

اس سلسلے میں نازی اور فاشسٹ طاقتوں سے آر ایس ایس نے جو قربت ۱۹۳۰ء کی دہائی میں بنائی تھی، اس کا انکشاف مارزیا کیسولاری نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے (EPW، اکونومک اینڈ پولیٹیکل ویکلی، ۲۲ جنوری ۲۰۰۰ء)۔

معروف مورخ اور نصابی کتابیں یعنی ٹکسٹ بک لکھنے کی وجہ سے عام پڑھے لکھے لوگوں میں زیادہ مقبول مورخ بپن چندرا اور ان کے رفقا کی کتاب (India's Struggle for Independence 1989) اور ان کی شاگرد سوچیتا مہاجن کی کتاب (Independence and Partition-2000) نے ملک کی تقسیم کے لیے زیادہ ذمہ دار مسلم فرقہ پرستی کو ہی مانا ہے، اور یہ کہا ہے کہ کانگریس نظریاتی یا اصولی طور پر تو فرقہ پرست سیاست کی شدید مخالفت میں ضرور تھی، لیکن ۱۹۳۷ء کے بعد مسلمانوں کی

www.shibliacademy.org

کانگریس سے بڑھتی دوری کے خلاف تدارک کی جو حکمت اور تدبیر دکھائی تھی، اس میں کانگریس نادانستہ طور پر ناکام رہی اور مسلم لیگ کی فرقہ پرست، علاحدگی پسندی کی سیاست نے مسلم خواص کو اپنی حمایت میں کرلیا۔ لیکن کانگریس کی ستائش کی جانی چاہیے کہ ملک کو خانہ جنگی سے اور کئی ٹکڑوں میں بٹنے سے یعنی Balkanisation سے بچا لیا گیا اور آزاد ہندوستان کو ہندو راشٹر کے بجائے سیکولر جمہوری ملک بنانے میں وہ کامیاب ہوئی۔

کئی مورخین کا ماننا ہے کہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے تقسیم کے علاوہ کوئی متبادل راستہ بچا ہی نہیں رہ گیا تھا۔ جبکہ سومیت سرکار کی مقبول ٹکسٹ بک ''ماڈرن انڈیا (۱۹۸۳ء)'' میں یہ لکھا گیا ہے کہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں اگر ٹیبل پر مذاکرہ کی تدبیر کے بجائے کسانوں، مزدوروں، رویال انڈین نیوی میوٹینی (۱۹۴۶ء) اور عوام کو احتجاجی سیاست کے لیے Mobilise کیا جاتا تو ملک کو تقسیم سے بچایا جا سکتا تھا۔ گاندھی جی کا کہنا یہ تھا کہ جن عوام کو لے کر سڑکوں پر اترنا تھا وہی عوام فرقہ پرست منافرت میں اس قدر ڈوب گئے تھے کہ عوامی تحریک ممکن ہی نہیں رہ گئی تھی۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انگریزی حکومت نے بھی حالات کو بد سے بدتر بنایا۔ ماؤنٹ بیٹین اور ریڈکلف نے بٹوارے میں بہت عجلت دکھائی۔ پہلے جون ۱۹۴۸ء کی ڈیڈلائن دی گئی، اور بعد میں اچانک اسے اور پیچھے لاکر اگست ۱۹۴۷ء کر دیا۔ اس سے افراتفری پھیل گئی اور لاکھوں لوگوں کی جانیں گئیں، عورتوں کی عصمت دری ہوئی، لاکھوں لوگ اجڑ گئے اور اپنی جڑوں سے اکھڑ گئے اور وہ سب ہوا جو انسانی تاریخ میں بہت کم ہوا ہے۔ انگلو امریکی مفاد اس برصغیر کو تقسیم کرنے میں تھا۔ اس پہلو پر مفصل انکشافات اب بھی تحقیق طلب ہیں، لیکن یاسمین خان کی کتاب ''دی گریٹ پارٹیشن (۲۰۰۷ء)'' اس جانب ایک اہم کوشش ہے اور یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

تقسیم ملک کی تاریخ نویسی میں لگاتار کوشش رہی ہے کہ صرف وجوہات کی تلاش کی جائے اور ذمہ داری طے کی جائے۔ کسی پر الزام رکھا جائے اور کسی کو بری الذمہ کیا جائے۔ کسی ایک کو صرف ظالم اور دوسرے کو صرف مظلوم ثابت کیا جا سکے۔ جب کہ انسانوں کی اتنی بڑی آبادی کو، جتنے عظیم سانحہ سے گزرنا پڑا، بات اس کی زیادہ ہو تو آج کی نسل میں انسان دوستی کے تئیں وابستگی کو زیادہ توانائی دی جا سکے۔ یعنی تقسیم کی وجوہات (Causes) کے بجائے تقسیم کے مفہوم (Meanings) کو سمجھنے اور

www.shibliacademy.org

ان کرب ناک یادوں (Bitter Memories) اور تجربوں (Experiences) پر ہی زیادہ باتیں کی جائیں۔ لہٰذا گیانیندر پانڈے اپنی کتاب ''رمیمبرنگ پارٹیشن (۲۰۰۱ء)'' میں اسی پہلو پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

ان پہلوؤں پر اور برصغیر میں موجودہ عہد میں تقسیم کی وجہ سے اور دونوں تقسیم (اگست ۱۹۴۷ء اور مارچ ۱۹۷۱ء) کے نتیجے کے طور پر جتنی پریشانیوں سے آج بھی پورے برصغیر کی آبادی کو جن صعوبتوں سے گزرنا پڑ رہا ہے، اس کو دیکھ کر چند مورخین کا ماننا ہے کہ کئی معنوں میں ''تقسیم'' کا عمل آج بھی جاری ہے۔ اس موقف کی وضاحت وزیر افضیلا یعقوب علی زمیندار کی کتاب ''دی لانگ پارٹیشن (۲۰۰۷ء) میں کی گئی ہے۔ اس سے بھی آگے جاتے ہوئے آج کے برصغیر میں مذہبی اقلیتوں کے خلاف اکثر ریاستی طاقتوں کی پشت پناہی کے ساتھ جو مظالم اور امتیازی برتاؤ کیے جا رہے ہیں ان سوالات کو لے کر ایک کتاب (مضامین کا مجموعہ، باؤنڈریز آف بیلونگنگ) حال ہی میں (۲۰۱۹ء) کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع ہوئی ہے، اس کی ادارت سارہ انصاری اور ولیم گولڈنے کی ہے۔

یعنی تقسیم ہند پر مبنی مطالعات اور تحقیقات کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، اور مختلف اہم پہلوؤں کا انکشاف ہونا اب بھی باقی ہے۔

اسلام کا سیاسی نظام

از

مولانا محمد اسحاق سندیلوی

قیمت ۲۵۰ روپے

www.shibliacademy.org

اولین عہد میں فقہ اسلامی کی تدوین اور تصنیف کتب

ڈاکٹر فواد سیزگین کی تحقیقات کا مطالعہ

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی

موجودہ دور میں جن اصحاب دانش نے علم وتحقیق کی شاندار بزم سجائی اور تحقیق کے وہ لعل وگہر پیش کیے جس نے ایک جانب ماضی کے زریں عہد کی یاد تازہ کردی اور دوسری طرف جدید تحقیقات کے دعویدار اہل مغرب نے جن کے کارناموں اور تحقیق کو خراج تحسین پیش کیا، ان میں ترکی کی نامور محقق شخصیت ڈاکٹر فواد سیزگین (۲۰۱۸-۱۹۲۴ء) کا نام نامی شامل ہے۔

سوانحی خاکہ: اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سزگین کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کردیا جائے۔

ڈاکٹر فواد سزگین ۲۴/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو ترکی کے شہر بتلیس میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد استنبول یونیورسٹی سے انھوں نے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی اور جرمن مستشرق پروفیسر ہلمٹ رٹر کے زیر نگرانی ''مجاز القرآن'' اور ''بخاری کے مصادر'' پر تحقیقی کام انجام دیے۔ ۱۹۵۴ء میں ان کا تقرر استنبول یونیورسٹی میں ہوگیا لیکن ۱۹۶۰ء کے فوجی انقلاب کے بعد جب جمال گرسیل نے عدنان مندریس کی حکومت ختم کرکے بڑی تعداد میں یونیورسٹی کے اساتذہ کو برطرف کردیا تو ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر سزگین جرمنی منتقل ہوگئے اور فرینکفرٹ کی گوئٹے یونیورسٹی میں وہ تدریس سے وابستہ ہوگئے، اور یہیں وہ ۱۹۶۵ء میں پروفیسر ہوگئے۔ ۱۹۶۶ء میں انھوں نے جرمن مستشرق ارسولا سے شادی کی، جس سے ۱۹۷۰ء میں ایک بیٹی ہلال پیدا ہوئی۔ عمر کے آخری مرحلہ میں وہ اپنے وطن ترکی آگئے تھے، ۳۰/جون ۲۰۱۸ء کو استنبول میں وفات پائی۔

پروفیسر وصدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد، فون: ۹۸۸۵۷۷۵۶۲۹۔

www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فواد سزگین نے جرمنی آکر ''تاریخ التراث العربی'' کا عظیم الشان کام انجام دیا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے گوئٹے یونیورسٹی میں ۱۹۸۲ء میں ''معہد تاریخ العلوم العربیہ والاسلامیہ'' کے نام سے عالمی معیار کا ایک ادارہ قائم کیا جس میں شاہ فیصل ایوارڈ کی اپنی رقم بھی لگادی، اسی ادارہ میں تاریخ علوم پر اختصاصی کاموں کے لیے نادر قسم کی ہسٹری آف سائنس لائبریری قائم کی جس میں اپنے ذاتی وسائل اور بے انتہا محنت سے ۴۵ ہزار کتابیں اور ۱۰/ ہزار مخطوطات کا ذخیرہ جمع کردیا۔ اسی معہد کے تحت انہوں نے ۱۹۸۳ء میں ایک میوزیم قائم کیا جس میں مسلم علما کے ایجاد کردہ سائنسی آلات کی نمائش کے لیے بڑے مالی خرچہ اور غیر معمولی محنت کے ساتھ ۸۰۰ ماڈل تیار کرائے، ان ماڈلس میں سائنس کے مختلف میدانوں سے متعلق مشینیں اور آلات دکھائے گئے تھے۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد اور حیران کن عجائب خانہ تھا۔ اسی معہد سے ۱۹۸۴ء میں ایک اختصاصی معیاری رسالہ اپنی ادارت میں ''مجلة تاريخ العلوم العربيه'' نکالنا شروع کیا، یہ مجلہ کثیر لسانی تھا جس میں انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور عربی زبانوں میں مقالات چھپتے تھے۔ مذکورہ معہد کے ذریعہ ڈاکٹر سزگین نے ایسے اور بھی مزید کارنامے انجام دیے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، چنانچہ انھوں نے ''عیون التراث'' کے نام سے متنوع موضوعات سے متعلق نادر مخطوطات کے عکسی ایڈیشن شائع کرنے شروع کیے، تاکہ یہ قیمتی سرمایہ محفوظ ہوجائے، ایسی ۱۶۹/ کتابیں بڑے ہی معیاری انداز سے شائع کی گئیں۔ ان کے علاوہ ایسی اہم کتابیں جو مطبوعہ تھیں لیکن نایاب ہوگئی تھیں، ان کی ضروری تدوین وترتیب کے بعد ازسرنو اشاعت عمل میں لائی گئی، ایسی کتابوں کی تعداد بارہ سے تیرہ سو کے درمیان ہے۔ اسی طرح جو مقالات رسائل اور مجلّات میں بکھرے ہوئے تھے، ان کو تلاش وجمع کرکے مختلف عناوین کے تحت مرتب کرکے شائع کیا۔

یہ وہ ادارے اور کام تھے جو انہوں نے جرمنی میں انجام دیے۔ اس کے علاوہ متعدد اہم کام انہوں نے اپنے آبائی وطن ترکی میں بھی انجام دیے۔ چنانچہ ۲۰۰۸ء میں استنبول میں اسی طرز کا میوزیم قائم کیا جیسا فرینکفرٹ جرمنی میں قائم کیا تھا۔ ''استنبول میوزیم آف دی ہسٹری آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی ان اسلام'' کے نام سے اس میوزیم میں سائنسی آلات اور مشینوں کے ۷۰۰ ماڈلس تیار کرائے۔ اس کے علاوہ فاتح سلطان محمد وقف یونیورسٹی میں ''ہسٹری آف سائنس ان اسلام'' کے نام

www.shibliacademy.org

سے ڈپارٹمنٹ، انسٹی ٹیوٹ اور ریسرچ فاؤنڈیشن قائم کیے۔ ڈاکٹر فواد سیزگین کو ان کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں ۱۹۷۸ء میں عالم اسلام کے سب سے بڑے ایوارڈ شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی متعدد اعزازات سے وہ نوازے گئے۔

نئی تحقیقات: ڈاکٹر فواد سیزگین کی شخصیت علم و تحقیق کا شاہکار تھی۔ انھوں نے اپنے کاموں کے لیے موضوع کا ایک دائرہ متعین کرلیا تھا۔ گو کہ انھوں نے متعدد اور متنوع کام انجام دیے لیکن ان سب کی حیثیت ایسی مختلف نہروں کی تھی جو علاحدہ راہوں سے چل کر ایک ہی دریا میں آمیز ہوجاتی ہیں۔ میدان عمل کی یہی یکسوئی غالباً ایک وجہ تھی کہ ان کے کارنامے کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے عالمی سطح پر محسوس کیے گئے اور علمی حلقوں میں ان کی قدرشناسی کی گئی۔

ڈاکٹر سیزگین نے جو بے مثال اور محیر العقول علمی خدمات انجام دی ہیں ان کے ذریعہ متعدد نئے علمی گوشے سامنے آئے ہیں، جن سے موجودہ علمی دنیا میں رائج تصورات کے برعکس نئے تصورات قائم ہوئے ہیں۔ انھوں نے ان تصورات کی تائید میں تحقیقات کے ناقابل تردید شواہد بھی فراہم کیے ہیں۔ ان کی اس نوعیت کی تحقیقات علوم کے کئی میدانوں سے متعلق ہیں، اور ہر تحقیق اپنی جگہ نہایت مہتم بالشان اور حیرت ناک ہے۔ یہ تحقیقات ڈاکٹر فواد سیزگین کی ان خدمات کے علاوہ ہیں جو سینکڑوں نادر و نایاب کتابوں کی ایڈیٹنگ و اشاعت، مخطوطات کے علمی خزانوں کی دنیا کے چپے چپے سے فراہمی، مسلم علماء و سائنسدانوں کی سائنسی ایجادات اور ان کے تیار کردہ آلات کی دوبارہ نمونہ سازی اور متعدد منفرد نوعیت کے اداروں کے قیام کی صورت میں انھوں نے انجام دیے ہیں۔ (۱)

ڈاکٹر فواد سیزگین نے اپنی جاں گسل تحقیقات کے ذریعہ جن نئے علمی گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے وہ متعدد علمی میدانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کئی سائنسی نظریات کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ وہ یورپ کے دعوؤں کے برعکس ان سے صدیوں پہلے مسلم سائنسدانوں نے اپنی کتابوں میں پیش کر دیے تھے۔ (۲) انہوں نے ایسی کتابوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو اصلاً مسلم سائنسدانوں کی تصنیف کردہ تھیں اور بعض اہل مغرب نے انہیں اپنے نام سے منسوب کر کے عام کرلیا تھا۔ ڈاکٹر سیزگین نے ایسے جغرافیائی نقشوں کی بھی نشاندہی کی، جو بتاتے ہیں کہ نئی زمین امریکہ کی دریافت کولمبس سے بہت پہلے مسلم سائنسدانوں نے کرلی تھی۔ (۳)

www.shibliacademy.org

حدیث کی تدوین وتصنیف کے میدان میں ڈاکٹر سیزگین کی تحقیقات بڑی چشم کشا اور عظیم الشان ہیں۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ حدیث کے تحریری مجموعے دور صحابہ سے ہی موجود رہے ہیں، اوران تحریری مصادر کی بنیاد پر روایت حدیث کی جاتی رہی ہے۔ انہوں نے روایت حدیث کے لیے اس دور میں مروجہ مختلف اصطلاحات جیسے سماع اور قراءت کے علاوہ اجازت، کتابت، وصیت و جادہ اور مناولہ وغیرہ کے بارے میں بتایا ہے کہ محدثین کرام ان سے علاحدہ علاحدہ کیا مفاہیم مراد لیا کرتے تھے، اوران میں تحریری مصادر کا استعمال کس طرح ہوتا تھا۔ (۴) اس نوع کی تحقیقات علوم عربیہ واسلامیہ کے مختلف فنون کے حوالے سے ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔

تاریخ التراث العربی۔ایک محیر العقول کارنامہ: فقہ اسلامی کی تدوین اور فقہی کتابوں کی تصنیف کے حوالے سے بھی ڈاکٹر فواد سیزگین نے اسی نوعیت کی تحقیقات پیش کی ہیں۔ زیر نظر تحریر میں ہم اس کا کچھ تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

ڈاکٹر فواد سیزگین کی سب سے معروف کتاب کا نام ''تاریخ التراث العربی'' ہے۔ یہ کتاب اصلاً جرمن زبان میں لکھی گئی ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، مصنف کتاب کے مقدمہ کے مطابق جرمن نسخہ کی پہلی جلد ۱۹۶۷ میں جرمنی سے طبع ہوئی۔ (۵) مختلف جلدوں کی اشاعت کا سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔ اس دوران ۱۷ جلدیں طبع ہوئیں اور کہا جاتا ہے کہ بوقت وفات اٹھارویں جلد پر کام جاری تھا۔ ابتداءً مصنف نے اسے معروف مستشرق کارل بروکلمان Carl Brockelmann (۱۹۵۶-۱۸۶۸ء) کی کتاب ''تاریخ الادب العربی'' کا ضمیمہ لکھ کر بروکلمان کی کتاب میں باقی رہ گئے مخطوطات کی نشاندہی کرنی چاہی تھی جو خصوصیت کے ساتھ استنبول کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں (۶) لیکن پہلی جلد کی تیاری کے دوران ہی انھیں اندازہ ہو گیا کہ اس پر مستقل بالذات کام کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر فواد سیزگین نے بروکلمان کے ببلیو گرافی کے منہج سے آگے بڑھ کر علوم عربی و اسلامی کی تاریخ لکھنی شروع کر دی، اور ساتھ میں بروکلمان کے ذکر کردہ مخطوطات پر اضافہ کرتے ہوئے مزید مخطوطہ کتابوں کے تذکرے شامل کیے۔ (۷)

ڈاکٹر سیزگین نے کام کے پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے ۴۳۰ ہجری کی زمانی حد بندی کر لی تھی، تاکہ اتنے پھیلے ہوئے کام اور اتنی بڑی تعداد میں موجود مختلف علوم وفنون کی کتابوں اور مخطوطات کا

www.shibliacademy.org

تذکرہ وتعارف کرانے میں کہیں کام ایک دو موضوع سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس لیے انہوں نے موضوعات کے تنوع کو زمانی وسعت پر ترجیح دی، اور علوم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے صرف ان مخطوطات اور کتابوں کا تعارف کرایا جو ۴۳۰ ہجری تک لکھی گئی ہیں۔(۸)

اس کتاب میں جن موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے، ڈاکٹر فواد سیزگین نے اپنے خطبات (اردو ترجمہ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان) میں ان کی دس جلدوں کا منصوبہ اور تفصیل پیش کی تھی، خطبات کی طباعت کے وقت تک پانچ جلدیں طبع ہوگئی تھیں اور چھٹی جلد زیر طباعت تھی لیکن کتاب کی اشاعت کے وقت چھٹی جلد اور اس سے آگے کی جلدوں اور موضوعات میں تبدیلی آگئی۔ خطبات کے مطابق ابتدائی پانچ جلدوں کے موضوعات یوں ہیں: پہلی جلد علوم قرآن وحدیث، تدوین تاریخی، فقہ، عقائد اور تصوف پر ہے۔ دوسری جلد کا موضوع عربی شاعری ہے۔(۹) تیسری جلد طب، بیطرہ اور علم الحیوان پر ہے۔ چوتھی جلد کیمیا، نباتیات اور زراعت پر مشتمل ہے۔ پانچویں جلد کا موضوع ریاضیات ہے۔ چھٹی تا پندرہویں جلد کے موضوعات کا ذکر پروفیسر اشتیاق ظلی نے اپنے مقالہ میں یوں کیا ہے: چھٹی جلد فلکیات پر، ساتویں جلد احکام نجوم پر، آٹھویں جلد علم اللغہ پر، نویں جلد نحو پر، دسویں جلد تا تیرہویں جلد جغرافیہ اور نقشہ نویسی پر، اور چودہویں و پندرہویں جلدیں انتھراپولوجی پر ہیں۔(۱۰) آخری دو جلدوں کے موضوعات نہیں معلوم ہوسکے، اور نہ ہی زیر ترتیب اٹھارویں جلد کے موضوع کا علم ہوسکا۔ اس بات کا بھی اندازہ نہیں ہوسکا کہ خطبات میں بیان کردہ منصوبہ میں تبدیلی کے بعد اب کتنی جلدوں میں اس کام کی تکمیل زیر غور تھی۔ ممکن ہے دوسرے اہل علم اس پر روشنی ڈالیں۔

عربی نسخہ پر موجود مصنف کے مقدمہ کے مطابق تاریخ التراث العربی کی پہلی جلد کا عربی ترجمہ ''الهيئة المصرية العامة'' کی جانب سے ڈاکٹر محمود فہمی حجازی اور ڈاکٹر فہمی ابوالفضل نے انجام دیا اور سن ۱۹۷۱ء میں اس پہلی جلد کا پہلا حصہ طبع ہوکر منظر عام پر آیا۔ اس وقت تک ڈاکٹر فہمی ابوالفضل وفات پا چکے تھے، پھر ڈاکٹر حجازی ہی کے ذریعہ اس کے پہلے اور دوسرے حصے کی اشاعت عمل میں آئی۔ ان دونوں حصوں میں اصل جرمن نسخہ کی جلد اول کا دو تہائی حصہ سما سکا۔

مصنف کے اس مقدمہ کے مطابق سن ۱۹۷۸ء میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ اور جامعۃ الملک سعود نے تمام جرمن نسخوں کے عربی ترجمہ اور اشاعت کی ذمہ داری لے لی۔ ۱۹۸۳ء میں

www.shibliacademy.org

لکھے گئے مصنف کے اس مقدمہ کے مطابق اس وقت از سر نو جلد اول کے پہلے حصہ کی اشاعت عمل میں آ رہی تھی اور اب اس کام میں ڈاکٹر فہمی حجازی بحیثیت مترجم اور ڈاکٹر عرفہ مصطفیٰ اور ڈاکٹر سعید عبدالرحیم بحیثیت مراجعت ونظر ثانی شریک عمل تھے۔

راقم کے سامنے ''تاریخ التراث العربی'' کے عربی ترجمہ کا وہ نسخہ ہے جو ''امیر سلمان بن عبدالعزیز'' کے نفقہ پر سعودی عرب کی وزارت تعلیم کے تحت ''جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ'' کی جانب سے ۱۹۹۱ء میں طبع ہوا ہے۔ اس کتاب کی جلد اول کا حصہ اول علوم قرآن اور حدیث پر مشتمل ہے، حصہ دوم تدوین تاریخی کے موضوع پر ہے۔ حصہ سوم فقہ کے موضوع پر خاص ہے، اور حصہ چہارم عقائد اور تصوف کے موضوع پر نصف کتاب میں ہے اور بقیہ نصف میں پوری جلد اول کی فہرستیں درج کی گئی ہیں۔ گویا جرمن نسخہ کی جلد اول کا عربی ترجمہ چار اجزا میں طبع ہوا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد پانچ اجزا پر مشتمل ہے، اور ان پانچوں اجزا میں ایک ہی موضوع ''عربی شاعری'' پر گفتگو آئی ہے۔ البتہ ان مختلف اجزا میں عربی شاعری کی زمانی تقسیم کی گئی ہے، چنانچہ دوسری جلد کے حصہ اول میں مقدمہ اور شاعری کی مختلف اقسام اور شعری دواوین اور کتابوں کے تذکرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ حصہ دوم جاہلی دور سے تعلق رکھنے والے مختلف علاقوں کے شعرا اور ان کی شاعری سے متعلق ہے۔ حصہ سوم ابتدائے اسلام، بنو امیہ اور مخضرمی شعرا کے تعارف پر مشتمل ہے۔ حصہ چہارم میں عربی شاعری کے عباسی دور کو موضوع بنایا گیا ہے اور اس کے پانچویں حصہ میں عہد عباسی کا آخری حصہ شامل کرتے ہوئے مکمل دوسری جلد کی فہرستیں درج کی گئی ہیں۔

اس مختصر تعارف سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر کتنا پھیلا ہوا مواد ہے، اور اس کی صرف اصل جرمن زبان کی ۲ جلدیں عربی ترجمہ میں آ کر ۹ حصوں میں سمائی ہیں۔

فقہ اسلامی کی تحقیقات: جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ کتاب ''تاریخ التراث العربی'' کی جلد اول کا تیسرا حصہ فقہ کے موضوع پر مخصوص ہے۔ ۱۹۹۱ء کا مطبوعہ نسخہ جو راقم کے پیش نظر ہے، وہ کل ۳۹۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ابتداءً ۱۰ صفحات میں مقدمہ لکھا گیا ہے۔ مقدمہ میں ڈاکٹر فواد سیزگین نے اپنی تحقیقات میں ثابت شدہ اس نکتہ سے بات شروع کی ہے کہ علوم کی تاریخ میں ارتقا پایا جاتا رہا ہے اور اسی لیے جو فقہی کتابیں دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد کی لکھی ہوئی معروف ومشہور ہوئیں وہ

www.shibliacademy.org

دراصل تصنیفی ارتقا کی ترقی یافتہ شکلیں تھیں اور اس سے پہلے کے ابتدائی دور میں ہی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔ ڈاکٹر فواد نے اس مقدمہ میں مختلف حوالوں سے یہ دکھایا ہے کہ خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ میں ایسی تحریریں اور رسائل لکھے گئے جو فقہی مسائل سے متعلق تھے اور دوسری اور تیسری صدی ہجری کی فقہی کتابوں میں ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تحریروں میں مثال کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی ''کتاب الصدقات'' ہے، اسی طرح اسی نام سے موجود حضرت عمرؓ بن الخطاب کی تحریر ہے۔ (۱۱)

فرائض صدقہ کی بابت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک تحریر حضرت انس بن مالکؓ نے حاصل کی تھی، اسی طرح حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے صدقہ سے متعلق ایک صحیفہ ابن الحنفیہ کے ہاتھوں حضرت عثمان کے پاس بھجوایا تھا، (۱۲) ڈاکٹر فواد سیزگین کہتے ہیں کہ یہ تحریریں فقہی رسائل کے مقابلہ میں فقہی ضوابط اور فقہی فتاویٰ کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں۔ مصنف کے مطابق عہد صحابہ میں باضابطہ فقہی تحریریں اور رسائل تیار کیے گئے، چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے ان کے شاگرد حسین بن شفی بن ماتع اصبحی نے دو رسائل روایت کیے ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے ان کے شاگرد قبیصہ نے فرائض کے موضوع پر ایک رسالہ روایت کیا ہے، جس کا تذکرہ امام مالک اور امام شافعی دونوں نے اپنی کتابوں میں میراث کی بحث میں کیا ہے۔ (۱۳) ڈاکٹر سیزگین نے مختلف حوالوں سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ کی اس کتاب الفرائض کی کئی شرحیں بھی اس عہد میں لکھی گئی تھیں۔ مصنف لکھتے ہیں کہ بے شمار واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے پاس فقہی مسائل پر ایسے رسائل تھے جن سے وہ باہم استفادہ کرتے تھے۔ (۱۴) اس مقدمہ میں مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ ابواب کی ترتیب سے فقہی کتابوں کی تصنیف کا آغاز پہلی صدی ہجری کے آخر اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ امام زہری کے فتاویٰ تین اسفار میں اور امام حسن بصری کے فتاویٰ سات اسفار میں فقہی ابواب کی ترتیب پر موجود تھے۔ (۱۵)

ڈاکٹر فواد سیزگین نے ان مشہور فقہا کے نام ذکر کیے ہیں جن کا تعلق پہلی صدی ہجری سے ہے اور جنھوں نے فقہی کتابوں کے ارتقا میں حصہ لیا ہے۔ ڈاکٹر سیزگین کے مطابق عربی مصادر میں جن فقہا کے ساتھ لفظ ''عالم'' کا استعمال کیا گیا ہے اس سے دراصل مصنف مراد لیا گیا ہے۔ اگرچہ

www.shibliacademy.org

طبقات کی کتابوں میں انھیں مصنّفین کے طور پر ذکر نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی ان کی تصنیفات کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن دیگر کتابوں میں ان کی اس تصنیفی حیثیت اور ان کی تصنیفات کے تذکرے مل جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام مالک کے استاذ ربیعۃ الرائے ہیں جن کو بنیادی مراجع میں مصنف کے طور پر ذکر نہیں کیا گیا ہے، لیکن فقہ مالکی کی کتاب ''المدونہ'' میں ایسے واضح جملے موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ ربیعۃ الرائے کی فقہی تصنیف تھی اور مدونہ میں ان کی رائے اسی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔(۱۶)

ڈاکٹر فواد سیزگین نے اسی نوعیت کی مختلف معلومات اور صراحتوں پر مشتمل یہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔

تاریخ التراث العربی کی جلد اول کے اس تیسرے حصہ میں مقدمہ کے بعد دو فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں اموی دور میں لکھی جانے والی فقہی کتابوں کا تعارف ہے۔ مصنف کا اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے فقہی شخصیات کا تعارف کراتے ہیں، پھر ان شخصیات کی سوانحی تفصیلات کے لیے ''مصادر ترجمہ'' کا عنوان قائم کر کے حوالے درج کرتے ہیں، پھر اس شخصیت کی خدمات پر تصنیف کی گئی مختلف ادوار کی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں، پھر خود اس شخصیت کی اپنی فقہی تصنیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کتابوں کے مطبوعہ اور مخطوطہ نسخوں کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آج وہ دنیا کے کن کن کتب خانوں میں کن نمبرات کے تحت موجود ہیں۔ یہ بڑا جاں گسل کام ہے کہ ایک فقہی شخصیت کی کون کون سی تصنیفات کے مختلف نسخے آج دنیا کے کن کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

اس طرز پر مصنف نے فصل اول کے اندر دور اموی سے تعلق رکھنے والے ۱۱ فقہاء کا تذکرہ کیا ہے، اور اخیر میں مزید ۱۴ فقہا کے نام درج کر کے کتاب کے دیگر حصوں میں ان کی بابت بیان ہونے والی تفصیلات کا حوالہ دیا ہے۔ اس طرح کل ۲۵ شخصیات میں صحابہ اور کبار تابعین دونوں موجود ہیں۔ ان میں زید بن ثابت، شریح بن حارث، قبیصہ، نخعی، مکحول، حماد، بکیر بن عبداللہ اشج، ابوالزناد، زید بن اسلم، ربیعۃ الرائے اور یحییٰ بن سعید ہیں۔ اور دیگر فقہاء میں عبداللہ بن عباس، عروہ بن زبیر، سعید بن المسیب، شعبی، ضحاک بن مزاحم، حسن بصری، وہب بن منبہ، محمد بن سیرین، عطاء بن ابی رباح، قتادہ بن دعامہ، زہری، یزید بن ابی حبیب، ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی اور عبیداللہ بن ابوجعفر ہیں۔

کتاب کی دوسری فصل عہد عباسی کے فقہا اور ان کی فقہی کتابوں سے متعلق ہے اور مصنف نے اپنے اختیار کردہ منہج کے مطابق اسے ۴۳۰ ہجری کی زمانی حد بندی پر ختم کر دیا ہے۔ اس فصل میں

www.shibliacademy.org

پہلے مذاہب اربعہ یعنی فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پھر مذاہب اربعہ کے علاوہ دیگر مستقل بالذات فقہی مسالک بیان کیے گئے ہیں۔ تیسرے نمبر پر شیعی فقہ کو زیر بحث لایا گیا ہے، جس میں فقہ امامی، فقہ زیدی، فقہ اسماعیلی، فقہ قرامطہ اور فقہ نصیری کو شامل کیا گیا ہے اور چوتھے نمبر پر فقہ اباضی کا تذکرہ کر کے کتاب ختم کر دی گئی ہے۔

مذاہب اربعہ کے بیان میں فقہ حنفی کے عنوان کے تحت ۲۹ فقہا کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ وہ فقہا ہیں جن کی فقہی کتابوں کا سراغ لگانے کی کوشش کی گئی ہے اور دنیا کے کتب خانوں میں موجود ان کے نسخوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ فقہ مالکی کے تحت ۳۴ فقہا کا تعارف کراتے ہوئے ان کی تصنیفی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فقہ شافعی کے عنوان کے تحت ۲۲ فقہا کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور فقہ حنبلی کے ۱۸ فقہا کے ناموں اور کاموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مذاہب اربعہ کے علاوہ جن مستقل بالذات فقہی مسالک کو زیر بحث لایا گیا ہے ان میں ۱۴ فقہی شخصیات کے سوانحی خاکے اور ان کی فقہی تصنیفات پر گفتگو کی گئی ہے۔

فقہ شیعی کے اندر سب سے پہلے فقہ امامیہ کا ذکر ہوا ہے اور اس عنوان کے تحت کل ۴۷ فقہی شخصیات اور ان کے کاموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر فقہ زیدی کا عنوان قائم کر کے ۱۷ فقہی شخصیات کے کاموں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ پھر فقہ اسماعیلیہ کے عنوان کے تحت ۱۴ شخصیات کے تذکرے آئے ہیں، جب کہ فقہ قرامطہ کے تحت صرف ایک اور فقہ نصیریہ کے عنوان کے نیچے چار فقہی شخصیات کی تصنیفات اور کاموں پر گفتگو کی گئی ہے۔

آخری حصہ فقہ اباضی میں تین فقیہوں کا تذکرہ آیا ہے۔ اس طرح جلد اول کا یہ تیسرا حصہ مکمل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر فواد سیزگین کے پیش نظر علوم کی تاریخ بیان کرنا اور قدیم مطبوعہ و مخطوطہ کتابوں کی نشاندہی کرنا ہے، چنانچہ انھوں نے فقہ کے موضوع کے ضمن میں بھی ان ہی فقہی شخصیات کا تعارف کرایا ہے جن کے تذکرے اوپر آئے، کیونکہ ان سے ہی فقہ کی تاریخ تشکیل پاتی ہے۔ ڈاکٹر سیزگین نے مختلف اور متنوع حوالہ جات کا مطالعہ کر کے ان تحریروں کا سراغ لگایا ہے جو ابتدائی دور میں لکھی گئیں اور پھر یہ بتایا ہے کہ یہ مخطوطات یا اس کے مطبوعہ نسخے آج کہاں کہاں موجود ہیں۔

www.shibliacademy.org

بطور مثال ایسی چند شخصیات اور ان کی کتابوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

مصنف نے فصل اول کے تحت سب سے پہلا نام زید بن ثابتؓ کا درج کیا ہے۔ زید بن ثابتؓ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور فقہ وفتاوی بالخصوص میراث کے مسائل کے لیے معروف ہیں۔ ڈاکٹر سیزگین نے ان کا تعارف کرانے کے بعد ان کی فقہی تحریر کی نشاندہی کی ہے۔ چنانچہ وہ بتاتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابتؓ کی ایک تحریر ''کتاب الفرائض'' کے نام سے تھی اور ابن خیر اشبیلی (متوفی ۵۷۵ھ) کے پاس اس کی اجازت تھی، ابن خیر نے یہ بیان کیا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی کی ''الفرائض'' دراصل اسی کتاب پر مبنی تھیں۔ (۱۷) مصنف نے دوسرا نام شریح بن حارث کندی کا ذکر کیا ہے۔ یہ یمن کے رہنے والے تھے اور ان کی پیدائش اگرچہ عہد نبوت میں ہوئی تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف نہ حاصل کر سکے تھے۔ یہ اسلامی تاریخ کے مشہور قاضیوں میں سے ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی طویل عرصہ تک کوفہ اور بصرہ کے قاضی رہے ہیں۔ ڈاکٹر سیزگین نے لکھا ہے کہ ابن شریح کی آرا کا ایک بڑا حصہ وکیع کی اخبار القضاۃ (جلد ۲، صفحہ ۱۸۹-۳۹۸) میں موجود ہے۔ اور یہ بات تقریباً ثابت ہوجاتی ہے کہ وکیع نے شریح کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ (۱۸)

فقہ اسماعیلی کے ذیل میں متعدد شخصیتوں کے ساتھ ایک نام قاضی نعمان کا ذکر کیا ہے، جو فقہ اسماعیلی کے بانی اور کتاب 'دعائم الاسلام' کے مصنف ہیں۔ ڈاکٹر سیزگین نے قاضی نعمان کی مختلف فقہی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے اور ان میں کتاب ''دعائم الاسلام فی الحلال والحرام والقضایا والاحکام عن اھل بیت رسول اللہ'' کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کتاب اسماعیلیہ کے نزدیک فقہ اور علم الکلام کا انسائیکلوپیڈیا ہے، پھر بتایا ہے کہ اس کے مخطوطہ نسخے دنیا میں کہاں کہاں پائے جارہے ہیں۔

فقہ زیدیہ کے تحت ڈاکٹر فواد سیزگین نے اس مسلک فقہی کا تعارف کرایا ہے، اور پھر اس فقہ کے مؤسس زید بن علی کے بارے میں تعارفی گفتگو کرنے کے بعد ان کی تحریروں اور کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں ان کی کتاب ''مجموع الفقہ'' بھی شامل ہے، مصنف کہتے ہیں کہ یہ ہم تک پہنچنے والی فقہی کتابوں میں سب سے قدیم ترین قانونی مجموعہ ہے۔ زید بن علی کی جانب اس کتاب کی نسبت کی صحت پر بعض مستشرقین کے شکوک کا جواب دیتے ہوئے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود اس کے مخطوطہ نسخوں کا تفصیل سے

www.shibliacademy.org

ذکر کیا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ اس مخطوطہ کے ایک نسخہ کے رامپور میں ہونے کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

ان چند مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصنف نے کس طرح عہد اول کی قدیم فقہی تحریروں کا سراغ لگانے کی کوشش کی ہے، اور پھر آج ان تحریروں کے نسخوں کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے۔ چار سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں یوں تو پانچویں صدی ہجری تک کی فقہی شخصیات کو موضوع گفتگو بنایا ہے، لیکن ابتدائی دور یعنی عہد صحابہ اور عہد تابعین میں جو فقہی رسائل تحریر کیے گئے ان کی تفصیل اس کتاب کا قیمتی حصہ ہے۔ مصنف نے اپنی اس کاوش کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ذکر انھوں نے مقدمہ میں بھی کیا ہے کہ پہلی صدی میں ہی فقہی رسائل اور تحریریں تیار کرلی گئی تھیں۔ پہلی دو صدیوں کی تحریروں اور کتابوں ہی کی بنیاد پر تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد باضابطہ فقہی تصنیفات تیار کی گئیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اچانک ہی ایسی مرتب ومنضبط کتابیں لکھ لی گئیں، اور نہ ہی یہ درست ہے کہ ابتدائی صدی میں فقہی کتابیں اور تحریریں نہیں تھیں۔ مصنف نے یہ بھی دکھایا ہے کہ ابتدائی دور کی یہ تحریریں اور رسائل بعد میں لکھی گئی کتابوں کا حصہ بنالی گئیں، چنانچہ آج ان معروف کتابوں میں ان ابتدائی فقہی شخصیات کی آرا اور ان کے رسائل موجود ملتے ہیں۔

حواشی وحوالے

(۱) ان کاموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر فواد سیزگین کی سوانح: مکتشف الکنز المفقود: فواد سزکین، ڈاکٹر عرفان یلماز، عربی ترجمہ: احمد کمال، دار النیل، مصر ۲۰۱۵ء۔ تاریخ علوم میں تہذیب اسلامی کا مقام، خطبات ڈاکٹر فواد سیزگین، اردو ترجمہ ڈاکٹر خورشید رضوی، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان ۱۹۹۴ء۔ ڈاکٹر فواد سیزگین، مرتب: شاہ اجمل فاروق ندوی، آئی او ایس، نئی دہلی ۲۰۱۹ء۔ (۲) مثال کے طور پر ہواؤں کے پیدا ہونے اور مدوجزر پیدا ہونے کی کیفیت کی تفصیلات سے مغرب کو اٹھارویں اور انیسویں صدی میں واقفیت ہوئی اور یورپ نے اس کی نسبت جرمن فلسفی ایمانویل کانٹ کی طرف کی ہے، جبکہ اس سے صدیوں پہلے نویں صدی عیسوی میں مسلمان علما اس موضوع کی تفصیلات سے واقف ہو چکے تھے، مصنف نے اس کی تفصیل اپنی کتاب ''تاریخ التراث العربی'' کی ساتویں جلد میں پیش کی ہے۔ دیکھیے: مکتشف الکنز المفقود: فواد سزکین، ڈاکٹر عرفان یلماز، عربی ترجمہ: احمد کمال، دار النیل، مصر ۲۰۱۵ء۔ (۳) ان دونوں قسم کی متعدد مثالوں کے لیے دیکھیے: تاریخ علوم میں تہذیب

www.shibliacademy.org

اسلامی کا مقام، خطبات ڈاکٹر فواد سیزگین، اردو ترجمہ ڈاکٹر خورشید رضوی، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان ۱۹۹۴ء، اس کے درج ذیل تین خطبات: تاریخ علوم میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام، تاریخ طب میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام، اور علم کیمیا کی تاریخ میں مسلمانوں اور عربوں کا مقام۔ (۴) دیکھیے حوالہ سابق، خطبہ: عربی و اسلامی علوم میں اسناد کی اہمیت۔ (۵) تاریخ التراث العربی کے عربی ترجمہ پر مصنف کے پہلے مقدمہ کا عربی ترجمہ موجود ہے، اور مقدمہ کے آخر میں مصنف کا نام اور تاریخ یوں درج ہے: فؤاد سزگین، ۲۷ دسمبر ۱۹۹۶۔ (۶) ڈاکٹر سیزگین اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: کانت الخطه اولا ان یوضع ملحق لکتاب بروکلمان علی اساس مخطوطات استنبول، تاریخ التراث العربی، صفحہ ۱۲، عربی ترجمہ: محمود فہمی حجازی، مطبوعہ وزارت تعلیم، سعودی عرب ۱۹۹۱۔ (۷) اس تبدیل شدہ منصوبہ کے بارے میں ان کے الفاظ ہیں: وعندما انتهيت من الجزئين الاول والثانی واعددتهما للطبع ظهر انهما فی الحقيقه عمل جديد مستقل عن كتاب بروكلمان ، ففی هذين الجزئين درست كل المواد المتاحه و حققتها وراجعت كل ما ذكره بروكلمان و اضفت له معلومات جديده مكمله مثل تاريخ المخطوطات وعدد اوراقها او صفحاتها كذلك عدد اجزائها۔ حوالہ سابق، مقدمہ، صفحہ ۱۲۔ (۸) معروف دانشور پروفیسر اشتیاق ظلی نے فواد سزگین پر اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ اخیر کی جلدوں میں اس زمانی حد بندی کی پابندی نہیں کی گئی اور اٹھارویں صدی تک اس کے دائرہ کو وسعت دے دی گئی تھی۔ دیکھیے موصوف کا مقالہ مشمولہ کتاب: ڈاکٹر فواد سیزگین، مرتب: شاہ اجمل فاروق ندوی، صفحہ ۳۲، مطبوعہ آئی او ایس، نئی دہلی ۲۰۱۹ء۔ (۹) سعودی عرب کی وزارت تعلیم کے اہتمام سے ان دو جلدوں کا عربی ترجمہ بالترتیب چار اجزا اور پانچ اجزاء میں شائع ہوا ہے۔ ۱۹۹۱ء کا مطبوعہ عربی ترجمہ کا نسخہ راقم کے پیش نظر ہے۔ (۱۰) مکتبہ شاملہ کے آن لائن ویب سائٹ پر اول تا تیرہویں جلد تک ہی کے موضوعات ذکر کیے گئے ہیں، اور وہ سابق کے مطابق ہیں۔ (۱۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ منورہ میں ان دو قدیم نسخوں کو تلاش کرایا تھا، اور پھر ان کی نقل تیار کرائی تھی۔ دیکھیے ابوعبید کی کتاب الاموال، صفحہ ۵۰۱۔۵۰۲، اور سیوطی کی تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۳۱، مقدمہ: صفحہ ۴۔ (۱۲) دیکھیے: ابن حجر کی فتح الباری، جلد ۷، صفحہ ۳۲۔ مقدمہ، صفحہ ۵۔ (۱۳) مقدمہ صفحہ ۶۔ (۱۴) مقدمہ، صفحہ ۷۔ (۱۵) دیکھیے اعلام الموقعین، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۵، جلد اول، صفحہ ۲۶۔ مقدمہ کتاب، صفحہ ۸۔ (۱۶) دیکھیے مدونہ، جلد ۱، صفحہ ۱۶۔ بحوالہ تاریخ التراث، مقدمہ، صفحہ ۱۱۔ (۱۷) تاریخ التراث العربی، جلد اول، جز ۳، صفحہ ۱۳۔ (۱۸) تاریخ التراث العربی، ایضاً، صفحہ ۱۷۔

www.shibliacademy.org

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی

ایک مخلص مربی اور استاد کی حیثیت سے

(چند غیر مطبوعہ خطوط کی روشنی میں)

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (۱۹۰۱-۱۹۷۴ء) ملک کے نامور عالم دین، معروف مورخ اور مشہور ادیب وصحافی اور مولانا سید سلیمان ندوی کے شاگرد رشید تھے، مولانا سید سلیمان ندوی جب ۱۹۴۶ء میں بھوپال چلے گئے تو دارالمصنّفین کی دیکھ بھال کی ذمہ داری شاہ صاحب کے سپرد ہوئی اور جب سید صاحب پاکستان منتقل ہوگئے تو ۱۹۵۱ء میں دارالمصنّفین کے ناظم عہدے پر وہی فائز ہوئے، جس کی ذمہ داریوں اور فرائض کو انہوں نے تاحیات بحسن وخوبی انجام دیا، رسالہ معارف کی ادارت کے علاوہ انہوں نے مہاجرین (جلد دوم)، عرب کی موجودہ حکومتیں، تابعین، تاریخ اسلام (حصہ دوم تا چہارم)، اسلام اور تمدن، حیات سلیمان، ادبی نقوش، سیر الصحابہ (حصہ ششم وہفتم) جیسی اہم اور قابل قدر کتابیں تصنیف کیں جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی اور علمی دنیا ان سے استفادہ کرتی رہے گی، لیکن ان تمام خدمات کے علاوہ شاہ صاحب کی زندگی کا ایک اور شاندار کارنامہ وہ ہے جس کو ہم علم پروری، خورد نوازی، مردم سازی اور علم دوستی کے نام سے یاد کرتے ہیں، شاہ صاحب ایک مشفق استاد اور مخلص مربی تھے، یہ صفت ان کو مولانا سید سلیمان ندوی کے ذریعہ مولانا شبلی کے عہد سے بطور وراثت ملی تھی، یہی وجہ ہے کہ دارالمصنّفین کے انتظامی وعلمی امور کی انجام دہی کے علاوہ انہوں نے اس تربیتی نظام کی طرف پوری توجہ دی اور دینی مدارس کے طلبہ کی علمی ودینی تربیت فرمائی، جو دینی طلبہ دارالمصنّفین کے احاطہ میں رہ کر ان سے کسب فیض کررہے تھے وہ علم وادب اور تحقیق واشاعت کے میدان میں نامور

گلشن عتیق، نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ، فون: ۹۷۷۱۵۹۲۸۹۸۔

www.shibliacademy.org

ہوئی، لیکن آزادانہ طور پر دینی مدارس کے جو طلبہ خط و کتابت کے ذریعہ علمی و دینی تربیت پا رہے تھے ان کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے، میں بھی ان خوش بخت طلبہ میں تھا جو ان سے وقتاً فوقتاً تعلیم و تربیت پا رہے تھے اور رہنمائی حاصل کر رہے تھے، یہ بات آج سے ۵۶ سال قبل کی یعنی ۱۹۶۲ء کی ہے جب میں دارالعلوم دیوبند میں مشکوٰۃ و جلالین کا طالب علم تھا اور ملک کے نامور اہل علم سے علمی روابط قائم کرنے اور ان سے علمی و تحقیقی میدان میں خط و کتابت کے ذریعہ تعلقات پیدا کر کے رہنمائی حاصل کرنے کا ذوق و شوق رکھتا تھا، اس غرض سے مولانا عبدالماجد دریابادی کے بعد دوسری شخصیت مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کی تھی جن سے میں نے مراسلت شروع کی اور ان کے حوصلہ افزا جواب پا کر کئی برسوں تک علمی سوالات کرتا رہا، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے میری تعلیمی رہنمائی میں مشورے دیے، میرے سوالات کے جواب نہایت اخلاقی ذمہ داری کے ساتھ عنایت فرمائے اور ہر ہر قدم پر ایسی اصلاحی باتیں لکھیں جن سے میرے حوصلے بھی بڑھے اور قدم اٹھانے اور بڑھانے میں آسانیاں پیدا ہوئیں، میری خط و کتابت ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک چلتی رہی، خطوں میں کچھ سوالات اسلامیات سے، کچھ اردو زبان سے متعلق ہوتے تھے اور کچھ حصول علم کے بارے میں ہوتے تھے، مولانا کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے جواب دینے میں نہ کبھی اکتاہٹ کا اظہار کیا اور نہ کبھی ناراضگی ظاہر کی، بلکہ پوری سنجیدگی، متانت اور پروقار انداز میں جواب دیا جس سے میرا حوصلہ بڑھتا گیا اور یہ سلسلہ چار سال تک جاری رہا، مولانا کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ میرے غیر ضروری اور نامناسب سوالات کے جواب بھی اس انداز سے دیتے تھے کہ مجھے خود احساس ہو جاتا کہ یہ نامناسب سوال تھا لیکن مولانا جواب دینے سے گریز نہیں کرتے تھے، مولانا کے چودہ خطوط میرے پاس محفوظ ہیں جن میں سے کچھ خطوط قارئین معارف کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ ان کا افادہ عام ہو۔

۱۔ میں نے سب سے پہلا خط اگست ۱۹۶۲ء میں لکھا، جس میں اپنے حصول علم اور مطالعہ کتب کے بارے میں سوال کیا تھا، مولانا نے نہایت شفقت و محبت کے ساتھ یکم ستمبر ۱۹۶۲ء کو اس کا جواب دیا:

یکم ستمبر ۶۲ء، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، غالباً ابھی آپ زیر تعلیم ہیں، اس لیے فی الحال آپ محنت سے درسیات کی

www.shibliacademy.org

تکمیل کیجیے، اس کے بعد دوسری کتابوں کا مطالعہ کیجیے گا، جن سے معلومات اور علم میں وسعت اور اردو ادب کا ذوق پیدا ہو، اس کے بعد مضمون نگاری اور تالیف وتصنیف کا درجہ آئے گا، بہرحال آپ نے مطالعہ کتب کے لیے مشورہ طلب کیا ہے، اس لیے سرسید، شبلی، محمد حسین آزاد، عبدالحلیم شرر، رتن ناتھ سرشار اور راشد الخیری کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے، اس سے معلومات میں اضافہ ہوگا اور اردو ادب کا صحیح ذوق بھی پیدا ہوگا۔(۱)

معین الدین

۲۔ میں نے دوسرا خط اوائل اکتوبر ۱۹۶۴ء میں ارسال کیا، اس میں ایک سوال اسلام میں غلامی پر تھا، دوسرے سوالات اردو ادب سے متعلق تھے۔ جواب یہ ہے:

۲۳/اکتوبر ۶۴ء

مکرمی! السلام علیکم

۱۔ غلامی کے مسئلہ پر اس مختصر کارڈ میں بحث ممکن نہیں ہے، اس موضوع پر ندوۃ المصنّفین دہلی سے ایک مستقل کتاب دو ضخیم جلدوں میں ''اسلام میں غلامی کی حقیقت'' اور ''غلامانِ اسلام'' نکل چکی ہے، اس کو آپ دیکھیے، اس میں آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا۔(۲)

۲۔ رشید احمد صدیقی اعلیٰ پایہ کے ادیب ہیں، رئیس احمد جعفری مصنّفین میں ہیں لیکن ادیبوں میں ان کا شمار نہیں۔

۳۔ ''چند پھول کچھ شگفتہ اور کچھ نہفتہ'' معنی کے اعتبار سے تو حقیقتاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ شگفتہ کا مقابل نہفتہ نہیں بلکہ ناشگفتہ ہے، لیکن آج اس قسم کی بہت سی ترکیبیں رائج ہوگئی ہیں۔(۳)

۴۔ حیات سلیمان زیر تالیف ہے، مگر ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک مکمل ہوگی۔(۴)

۵۔ جی ہاں، میرا رجحان تو طالب علمی ہی کے زمانہ سے اردو انشا کی جانب تھا۔ والسلام

معین الدین

۳۔ میں نے ایک خط اکتوبر کے اواخر میں بھیجا جس میں کئی علمی وادبی سوالات تھے، مولانا

---

(۱) اس وقت میں دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا۔(۲) مولانا کا اشارہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی کتاب ''اسلام میں غلامی کی حقیقت'' اور ''غلامان اسلام'' کی طرف تھا۔(۳) یہ غلط ترکیب مجھے رشید احمد صدیقی کی کتاب ''آشفتہ بیانی میری'' میں ملی تھی۔(۴) یہ کتاب حیات سلیمان کے نام سے ۱۹۷۳ء میں دارالمصنّفین سے شائع ہوگئی۔

www.shibliacademy.org

نے اس کا جواب فوراً دیا جو پیار و محبت اور مفید مشوروں سے بھرا ہوا ہے، دیکھیے کہ مولانا نے کس خلوص اور ہمدردی کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

بسم اللہ

یکم نومبر ۶۳ء، اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، میں نے گذشتہ خط میں آپ کو مشورہ دیا تھا کہ ابھی مضمون نگاری کے پیچھے نہ پڑیے بلکہ محنت سے درسیات ختم کیجیے، اس کے بعد مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف کا شوق ہے تو اس کی جانب توجہ دیجیے، اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، اردو زبان و ادب کا صحیح ذوق پیدا کرنے کے لیے اس کی کلاسیکل اور مشہور ادیب مصنّفین کی کتابوں کا مسلسل مطالعہ اور معلومات و مواد اور خیالات میں وسعت کے لیے عربی کے مختلف فنون کا مستقل مطالعہ.....اس کے بغیر کوئی شخص نہ اچھا مضمون نگار بن سکتا ہے اور نہ مصنف، آپ نے اس سلسلے میں جو شکایت لکھی ہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ابھی آپ کا مطالعہ نہیں ہے، جب آپ کا مطالعہ وسیع ہوگا تو یہ شکایتیں خود بخود دور ہو جائیں گی، محض اردو کی چند کتابوں یا رسالوں کے پڑھنے سے کوئی شخص مضمون نگار اور مصنف نہیں بن سکتا۔(۱)

مولانا آزاد کی تفسیر میں بعض ناقدین کے نزدیک کہیں کہیں خامیاں ہیں لیکن مجموعی طور سے جدید طبقہ کے لیے کتاب اچھی ہے۔(۲)

مجھے نہیں معلوم کہ آپ کی تعلیم کہاں تک ہے، اس لیے ندوہ میں داخلہ کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں، امتحان کے بعد آپ جس لائق ہوں گے اس میں داخل کیے جائیں گے، اس بارے میں آپ مہتمم ندوۃ العلماء سے خط و کتابت کیجیے۔(۳)

---

(۱) اس زمانے میں مجھے مطالعہ کتب کا بڑا شوق تھا، عصر بعد اردو زبان و ادب اور مغرب بعد ۱ بجے رات تک درسی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔(۲) اس زمانے میں مولانا آزاد کی تفسیر زیر مطالعہ تھی جس کے بارے میں سوال کیا تھا کہ ناقدین کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے۔(۳) اس زمانے میں دیوبند سے فارغ ہونے والا تھا، اس لیے دریافت کیا تھا کہ ندوۃ العلماء میں داخلہ لے کر تخصص فی الادب العربی میں پڑھوں تو کیسا رہے گا، چنانچہ میں نے ۱۹۶۵ء میں ندوہ میں داخلہ لیا اور مولانا رابع حسنی ندوی اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی وغیرہ سے درسی کتابیں پڑھیں۔

www.shibliacademy.org

۴۔ میں نے وسط نومبر ۶۲ء میں ایک خط ارسال کیا جس میں کئی سوالات کیے تھے، اس کا جواب مولانا نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ دیا۔ جو یہ ہے:

۲۰ نومبر ۶۲ء
اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، دارالمصنّفین کی کتابوں میں سو روپے کے خریدار کو ۵ فیصدی کمیشن دیا جاتا ہے، اس سے کم کے خریدار کو نہیں، بزم رفتگان یہاں نہیں ہے۔(۱)

محمد حسین آزاد کی کوئی مفصل سوانح عمری نہیں ہے، بعض چھوٹے رسالے ہیں، (۲) ادبی نقوش کے علاوہ میری کوئی ادبی تصنیف شائع نہیں ہوئی ہے، اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کا ارادہ ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک یہ کام ہو سکے گا۔(۳)

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب کبھی معارف کے ایڈیٹر نہیں رہے، البتہ ایک دو مرتبہ جب سید صاحب طویل عرصہ کے لیے ہندوستان سے باہر تشریف لے گئے تو مولانا عبدالماجد صاحب نے شذرات لکھے تھے، (۴) ادبی کتابوں کے مطالعہ میں کوئی حرج نہیں ہے، مگر ابھی مضمون نگاری وغیرہ میں انہماک نہ ہونا چاہیے۔

والسلام
معین الدین

۵۔ مارچ ۱۹۶۳ء میں ایک اور خط ارسال کیا تھا، جس میں دارالمصنّفین میں فارغ التحصیل دینی طلبا کی تصنیفی تعلیم وتربیت کا سوال تھا، مولانا نے نہایت مربیانہ اور مشفقانہ انداز میں اس کا جواب مرحمت فرمایا، دیکھیے کہ ایک استاد اپنے شاگرد کو کس انداز میں جواب دے رہا ہے۔

---

(۱) بزم رفتگاں مرحوم سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی تصنیف تھی، میں نے اس کی خریداری کی خواہش ظاہر کی تھی۔

(۲) اس وقت تک مولانا محمد حسین آزاد پر کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی لیکن بعد میں ان کی سوانح عمری پر ڈاکٹر محمد صادق لاہور اور دیگر کئی مصنّفین کی کتابیں منظر عام پر آتی گئیں۔(۳) اس کی دوسری جلد کے بارے میں سوال تھا جو ۱۹۶۰ء میں دارالمصنّفین سے شائع ہوئی۔(۴) دارالمصنّفین سے نہایت قربت کی وجہ سے میرا گمان تھا کہ شاید وہ بھی معارف کے مدیر رہے ہوں، یہ جواب اسی کی وضاحت میں ہے۔

www.shibliacademy.org

۱۰/اپریل ۶۳ء

اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، دارالمصنّفین میں عربی کے ان فارغ التحصیل کو جن میں تصنیف وتالیف کا ذوق ہو، اس کی ٹریننگ دی جاتی ہے، مگر اس کا انتخاب یہاں کی مجلس انتظامیہ کرتی ہے اور فی الحال اس کی کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔(۱) والسلام

معین الدین

۶۔ جولائی ۱۹۶۳ء کے اوائل میں میں نے ایک خط لکھا، جس میں مولانا سید سلیمان ندوی، اصغر گونڈوی اور تحریر وانشا کے بارے میں کئی سوالات تھے، مولانا دارالمصنّفین کے مختلف علمی کاموں اور وہاں کے تنظیمی امور میں مستقل طور پر مشغول رہتے تھے، تاہم دیکھیے کہ انہوں نے کس اخلاقی ذمہ داری اور خوردنوازی کے جذبے سے سرشار ہوکر جواب مرحمت فرمایا ہے، یہ جواب شکایت، ناراضگی اور غیرضروری کے لہجے میں نہیں بلکہ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ دیا گیا ہے، جس سے مولانا کی اخلاقی بلندی اور استادانہ محبت وشفقت ظاہر ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے:

۲۳ جولائی ۶۳ء

دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، آپ کے سوالات کا جواب حسب ذیل ہے:

۱۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی طالب علمی کی زندگی کے معمولات کا مختصر جواب ممکن نہیں ہے،

---

(۱) میرا ارادہ تھا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد دارالمصنّفین میں تصنیف وتالیف کی تربیت حاصل کروں، اس کی کئی وجوہ تھیں، پہلی وجہ تو مولانا شاہ معین الدین جیسے بڑے عالم دین اور پختہ کار استاد کی شفقت ومحبت حاصل ہوتی، دوسری وجہ دارالمصنّفین جیسا خوشگوار علمی وتحقیقی ماحول نصیب ہوتا جہاں کے تربیت یافتہ طلبہ نے علمی وتحقیقی دنیا میں بڑے بڑے تحقیقی کام کیے، انہیں وجوہ کی بنا پر میں دارالمصنّفین جانا چاہتا تھا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا جس کی وجہ سے میں وہاں نہیں جاسکا، جس کا مجھے بے حد افسوس رہا۔

www.shibliacademy.org

اس کے لیے مستقل مضمون کی ضرورت ہے، معارف کے سلیمان نمبر میں ان کی طالب علمی کی زندگی کے حالات بھی آپ کو مل جائیں گے، اس کو پڑھیے۔

۲۔ اصغر گونڈوی پر آپ کا مضمون دیکھ لوں گا، بھیج دیجیے۔

۳۔ الندوہ کا فائل ندوہ میں بھی موجود ہے اور دارالمصنّفین میں بھی۔

۴۔ تحریر وانشا کتاب سے نہیں آتی، اس کے لیے صحیح ذوق اور نامور مصنّفین کی کتابوں کے مستقل مطالعہ کی ضرورت ہے۔

والسلام

معین الدین

۷۔ ایک خط جنوری ۱۹۶۴ء کو لکھا، جس کے ساتھ میرا اپنا ابتدائی مضمون بھی شامل تھا، مولانا نے میرا مضمون پڑھا اور ازراہِ دلجوئی جو قیمتی باتیں لکھیں وہ آج بھی ہم سب کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

۳۱ جنوری ۶۴ء

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا مضمون ملا، ابتدائی مشق کے لحاظ سے مضمون اچھا خاصہ ہے، اتنا اندازہ تو بہر حال ہوجاتا ہے کہ آپ میں تحریر کی صلاحیت ہے، مگر بسیار سفر باید تا پختہ شود حالی۔(۱)

ابھی صرف مشق سے کام رکھیے، جو مضمون نسبتاً بہتر قلم سے نکل جائے اس کو کسی رسالہ میں بھیج دیجیے، ایسے رسالے بہت مل جائیں گے، معیاری مضمون وسیع مطالعہ اور برسوں کی مشق کے بعد لکھا جائے گا، آپ کے پاس مضمون کی نقل ہوگی، اس لیے واپس کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

والسلام

معین الدین

۸۔ جولائی ۱۹۶۴ء کے اوائل میں ایک خط میں نے ارسال کیا جس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور

---

(۱) یاد نہیں پڑتا کہ کون سا مضمون تھا، لیکن اصلاح کی غرض سے یہ مضمون لکھ کر مولانا کی خدمت میں بھیجا تھا، جس کے جواب میں یہ خط ہے۔

www.shibliacademy.org

مولانا عبدالماجد دریابادی کے بارے میں کچھ سوالات تھے، مولانا نے کسی جھنجھلاہٹ اور اظہار ناراضگی کے بغیر جس صبر وتحمل اور محبت وشفقت کے ساتھ جواب دیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ فرماتے ہیں:

دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

۱۱ر جولائی ۶۴ء

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، اگر آپ کو ادب کی تکمیل کا شوق ہے تو ندوہ ضرور جایئے، درکار خیر ہیچ استخارہ نیست۔(۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حدیث پر بہت لوگوں نے لکھا ہے، خود سیرۃ النعمان میں اس پر مستقل بحث موجود ہے، اگر آپ اس پر اضافہ کرسکیں تو ضرور لکھیے، لیکن میرے خیال میں یہ آپ کے لیے دشوار ہے، ورنہ محض پرانے لکھے ہوئے کو دہرانے سے کیا حاصل۔

مولانا عبدالماجد دریابادی ہی جشن میں شریک نہ ہوں گے تو کون شریک ہوگا۔

وقتی واقعات الگ چیز ہیں، اس لیے دارالمصنّفین کے ساتھ ان کے تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ آج بھی اس کے رکن ہیں اور ان سے خط وکتابت بھی ہے۔(۲)

معارف کی آمدنی چندہ میں کسی رعایت کی اجازت نہیں دیتی، لیکن اگر کوئی طالب علم اس کا طالب ہو تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔(۳) والسلام

معین الدین

۹۔ اوائل مارچ ۱۹۶۵ء میں ایک خط ارسال کیا جس میں میں نے دریافت کیا تھا کہ ندوہ سے فراغت کے بعد مجھے دارالمصنّفین میں علمی وتحقیقی تربیت کے لیے کوئی جگہ مل جاتی تو بڑا اچھا ہوتا، یہ میری دلی خواہش ہے، کیا اس کی کوئی صورت ہے؟ مولانا نے اس کا جواب نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ

(۱) دیوبند میں تعلیم کا میرا آخری سال تھا، اب ارادہ کررہا تھا کہ تکمیل ادب کی غرض سے ندوہ جاؤں، یہ اسی سوال کا جواب ہے۔(۲) اس سال دارالمصنّفین کی جوبلی بڑے دھوم دھام سے منائی جارہی تھی، اس موقع پر اس میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے شریک ہونے اور ان سے ملاقات کے سلسلے میں دریافت کیا تھا۔(۳) میں خریدار معارف بننا چاہتا تھا، اسی لیے اس کے سالانہ چندہ میں رعایت کی درخواست کی تھی۔

www.shibliacademy.org

انداز میں اس طرح دیا۔ لکھتے ہیں:

۱۱/مارچ ۶۵ء۔ اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، آپ سے مجھ کو پوری ہمدردی ہے لیکن آپ نے خود موہوم امیدیں باندھ لی تھیں، میں نے آپ سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا، آپ نے مجھ سے مضمون نگاری اور تصنیفی تربیت کا مشورہ طلب کیا تھا، وہ میں نے دے دیا تھا، اس لیے مجھ پر آپ کو کسی تصنیفی ادارے میں جگہ دلوانے کی ذمہ داری کہاں عائد ہوتی، آپ پڑھنے لکھنے کی کوشش کرتے رہیے، اس کی صلاحیت پیدا ہوجانے کے بعد آپ بیکار نہ رہیں گے، ممکن ہے ندوہ ہی میں کوئی صورت نکل آئے، ابھی تو آپ کو بڑی مشق و ممارست کی ضرورت ہے، علی میاں کو خط لکھنا بیکار ہے، آئندہ جب ان سے ملاقات ہوگی اور غالباً جلد ہو تو زبانی گفتگو کرلوں گا، ممکن ہے کوئی صورت نکل آئے، لیکن اس کو آپ وعدہ نہ سمجھیے۔

غالباً میں آخر مارچ یا شروع اپریل میں لکھنؤ آؤں گا، اس وقت آپ سے زبانی گفتگو ہوگی۔(۱)

والسلام

معین الدین

۱۰۔ میں نے مئی ۱۹۶۵ء میں ایک خط بھیجا جس میں مولانا ابوالحسن علی ندوی سے ملاقات اور گفتگو کا ذکر کیا، مولانا نے اس کا جواب فوراً دیا، جواب میں جس خلوص و محبت کا اظہار کیا گیا ہے وہ قابل دید ہے، جواب ملاحظہ ہو:

۲۰ مئی ۶۵ء

اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

میں اس طرف سفر میں تھا، پرسوں ۸ مئی کو واپس آیا تو ڈاک میں آپ کا ۷ تاریخ کا خط ملا،

---

(۱) بات میری تصنیفی تربیت کی چل رہی ہے، مولانا کی پوری ہمدردی میرے ساتھ تھی لیکن میں ابھی خود ہی خام اور ناپختہ تھا تو وہ کیا کرسکتے تھے، ہاں میری ہمت افزائی کرتے رہتے تھے اور مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے جو ان کی علم دوستی اور ذرہ نوازی کا نتیجہ تھی۔

www.shibliacademy.org

معلوم نہیں کب آیا تھا، آپ علی میاں کی حسب ہدایت کام میں لگے رہیے، جب انہوں نے وعدہ کیا ہے تو وہ ضرور کسی نہ کسی کام میں آپ کو لگائیں گے، ان کا مشورہ سب سے زیادہ مفید ہے، کتابوں کے مطالعہ کے لیے بھی انہیں سے مشورہ کیجیے، ان کو علمی تربیت کا زیادہ تجربہ ہے۔

ابھی تو میں سفر سے واپس آیا ہوں، اس لیے فی الحال لکھنؤ کا کوئی ارادہ نہیں ہے، غالباً جولائی کے آخر تک آنا ہو۔

والسلام

معین الدین

۱۱۔ میں نے اگست ۱۹۶۵ء میں ایک خط تحریر کیا جس میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں داخلہ لینے کے سلسلے میں مطلع کیا اور مولانا عبدالسلام ندوی کو ایک سفارشی خط لکھنے کی گذارش کی جو وہاں کے ناظم دینیات تھے، مولانا شاہ معین الدین نے بڑے خلوص اور پیار و محبت سے جواب مرحمت فرمایا، جو یہ ہے:

دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

۱۱/اگست ۶۵ء

مکرمی! السلام علیکم

آپ کا خط ملا، مشغولیت کی وجہ سے فوراً جواب نہ دے سکا، محض میرا خط لے کر جامعہ ملیہ جانا کافی نہ ہوگا، میں نے مولانا عبدالسلام صاحب ناظم دینیات جامعہ کو خط لکھا ہے، ان کا جواب آنے کے بعد آپ کو لکھوں گا، اس وقت آپ جانے کا قصد کیجیے گا۔(۱)

والسلام

معین الدین

---

(۱) میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب مجھے انگریزی تعلیم حاصل کرنی ہے اور اس کے لیے جامعہ ملیہ دہلی جانا ہے، اس سلسلے میں ایک خط حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کا یہ جواب ہے، لیکن تاخیر سے جواب آنے کی وجہ سے میں مولانا وحیدالدین خان صاحب کا خط لے کر جو پروفیسر سوز کے نام تھا جامعہ ملیہ دہلی چلا گیا، لیکن انگریزی زبان مطلق نہ جاننے کی وجہ سے میرا وہاں داخلہ نہ ہوسکا، وہاں سے واپس آکر لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا جہاں سے انگریزی اور دوسرے سبجکٹ پاس کرتے ہوئے بی۔اے کیا اور پھر ایم۔اے علی گڑھ سے کیا۔

www.shibliacademy.org

اجتہاد در طریقت بہ حوالہ دستور السالکین

محترمہ قمر النساء

سولہویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں لکھی گئی کتابوں میں امتیازی حیثیت رکھنے والی کتاب دستور السالکین ہے جس کے مصنف مولانا داود خاکیؒ ہیں جو معروف صوفی بزرگ شیخ حمزہ مخدوم کشمیریؒ کے خلیفہ اول ہیں، ایک صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عالم دین، ادیب اور شاعر بھی ہیں جنہوں نے نظم ونثر میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں قصیدہ وردالمریدین اور اس کی شرح دستور السالکین کافی مشہور ہوئیں۔ وردالمریدین انہوں نے اپنے مرشد شیخ حمزہ کی مدح میں لکھی جس کو شیخ نے بہ نفس نفیس خود دیکھا اور پڑھا تھا(۱) بعد میں شیخ خاکیؒ نے اس پر ایک شرح دستور السالکین تحریر کر کے اپنی علمی اور روحانی صلاحیت کا لوہا منوایا، کتاب کئی حیثیتوں سے ممتاز ہے۔ شاعرانہ اصطلاحات کی تشریح، اغراض ومطالب، سلوک وتصوف کے منازل ومراحل کی تفصیلات، شرعی مسائل پر روشنی، تاریخی حوالہ جات، سماجی وسیاسی حالات کی عکس بندی، اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں اپنے دلائل کے دفاع میں تفاسیر، احادیث، فقہ اور تصوف کی معروف اور مدلل کتابوں سے حوالہ جات اور اقتباسات قلم بند کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دیگر کتابوں سے بالکل ہی الگ ہے۔ اس میں مختلف موضوعات کی تشریحات اور نئے نئے موضوعات اور علمی اصطلاحات سے تعارف ہوتا ہے۔ ایسی ہی ایک اصطلاح ''در طریقت مجتہد'' ہے۔

اسلام میں اجتہاد کا لفظ عموماً فقہ اور مسائل شریعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لغوی اعتبار سے اجتہاد ''جُہد'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ''ایسی انتہائی کوشش اور طاقت صرف کرنا جس میں محنت اور مشقت

مانو آرٹس اینڈ سائنس کالج فار ویمن، ہمہامہ، سری نگر۔ (ریسرچ اسکالر شعبہ اسلامک اسٹڈیز مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد)

www.shibliacademy.org

برداشت کرنا پڑے''، (۲) اصطلاحی طور پر اجتہاد شریعت مطہرہ کا ایک سرچشمہ ہے ''اور رائے پر مبنی مآخذ مثلاً قیاس، استحسان، استصلاح اور استدلال وغیرہ سب بالواسطہ اور بلاواسطہ اسی سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں''، (۳) علمی طور پر اجتہاد دو اقسام پر مشتمل ہے، ایک وہ جسے اولین اجتہاد یا بنیادی اجتہاد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس میں اصول متعین کرنا مقصد ہوتا ہے جیسے ائمہ اربعہ فقہ کا اجتہاد۔ دوسرا اجتہاد، ثانوی اجتہاد ہے جس کا مقصد متعین شدہ اصول کے تحت مستند مآخذ سے مسائل کا استنباط کیا جانا ہے۔ اس طرح کی کوشش کو اجتہاد در شریعت کہا جاتا ہے۔ جبکہ مولانا خاکیؒ اپنے پیر کو مجتہد در طریقت کی اصطلاح سے یاد فرماتے ہیں۔ ورد المریدین کا ایک شعر وہ یوں بیان کرتے ہیں: (۴)

''او شریعت راست ناصر در طریقت مجتہد بہر اسرار حقیقت صدر را و مصدر شد است''

ترجمہ: آپ شریعت کے مددگار، طریقت کے امام ہیں۔ آپ کا دِل اللہ کے رازوں کا ایک خزینہ بن گیا ہے۔

وہ شمائل الاتقیا سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں کہ ''الشریعۃ اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع الخلق والطریقہ افعال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع النفس والحقیقۃ احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع الحق'' (۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین شریعت ہے، افعال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طریقت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اللہ کی مخلوق کے ساتھ حقیقت ہے۔ ان کے یہاں ایک پر عمل کرنے والا ایک ہی امر کا مالک اور دو پر عمل کرنے والا دونوں کا مالک یا تینوں پر عمل پیرا ہونے والا تینوں امور کا مالک ہے اور یہی پہچان انسان کامل کی ہے۔ ان کے یہاں انسان کامل کا معیار چار چیزوں پر منحصر ہے: ۱۔ نیک اقوال ۲۔ نیک افعال ۳۔ نیک اخلاق اور ۴۔ نیک احوال اور جن کے اندر یہ چاروں امور ہوں وہی شخص امام اور مقتدیٰ ہے۔ (۶)

اس کے ذمے جو کام ہوتا ہے اس کی مزید تفصیل یوں کرتے ہیں کہ ایسے لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ وہ اپنے مادی امور پس پُشت ڈال کر اللہ تعالیٰ کے دین مبین کی خاطر اپنا سارا وقت خلق خدا کی اصلاح کے لیے صرف کرتے ہیں اور اقوال، افعال، اخلاق اور احوال کا خزینہ بکھیرتے ہیں۔ ان اصطلاحات کا جامع انسان ہی اس منصب سے سرفراز ہوتا ہے اور اس کی کاوش اور سعی سے ہی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بخوبی انجام پاتا

www.shibliacademy.org

ہے۔ ''درطریقت مجتہد'' کا مفہوم یوں ہے ''کہ مجتہد، لغوی معنی میں ریاضتوں میں جدوجہد کرنے والا اور ریاضت کی مشقتوں کو برداشت کرنے والا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس سے اصطلاحی معنی مراد ہوں یعنی سلوک کے مسئلوں کی حکمتوں اور طریقت کی مصلحتوں کو پہچاننے اور بعض خاص طریقوں کو اختیار کرنے میں ایک قوی اور طاقتور دل کا مالک''۔(۷)

غالباً اس سے مراد ایسا ہی صاحب ارشاد شخص ہے جو پرانے سلسلوں میں مزید وسعت دے کر ایک نیا سلسلہ دریافت کرتا ہے، جیسے ان کے پیر جو کہ اصلاً خانوادہ سہروردیہ سے منسلک ہیں لیکن نقشبندی، چشتی، کبروی اور پرانے ریشی اویسی سلسلوں کو مدغم کرکے سلسلہ مخدومیہ یا سلسلہ سلطانیہ کی بنیاد ڈالتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ''بعض کتب میں دیکھا گیا ہے کہ بہت زمانہ گذرا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے پھر ہمارے زمانے میں مجتہد کا لفظ استعمال کرنا کیسے جائز ہے۔ ہم اس سوال کا جواب یوں دیں گے کہ شریعت کے احکام اور مسائل میں اجتہاد کرنا تو اصطلاحی معنوں میں بند ہے کہ مذہب میں کوئی نئی چیز یا بات پیدا کی جائے اور ہم جس اجتہاد پر بحث کرتے ہیں وہ طریقت کا اجتہاد ہے خواہ ہم لغوی معنوں میں لیں یا اصطلاحی''، (۸) آگے لکھتے ہیں کہ ''ہمارے مرشد اپنے مریدوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد ہر ایک کی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق ایک خاص طریقہ ان کے لیے مقرر فرماتے ہیں اور ریاضت کا حکم دیتے ہیں''۔(۹)

مذکورہ عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ طریقت اور راہ سلوک میں کسی بھی قسم کی سختی کا کوئی اندیشہ نہیں، ایک مرشد اپنے مریدوں کی اصلاح کی خاطر اپنی مرضی سے ان کے درد کی دوا کرتا چلا جاتا ہے، اس کا پیمانہ اگرچہ ایک ہی ہے تاہم اس کے جام مختلف خانوں سے پُر کیے جاتے ہیں۔ صحیح انتخاب کا ذمہ مرشد کامل پر منحصر ہے۔ پھر وہ مقام آجاتا ہے جب مرید اپنی بساط پر پورا اترتا ہے اور راہ سلوک کے منازل طے کرنے کا اس کا سفر خاصا آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے شاید صوفیائے کرام نے مختلف علاقوں کے رسمی عادات اور مراسم کا یکسر اور یک مُشت خاتمہ نہ کیا بلکہ ایک طویل مدت تک اس کو بدلنے میں وقت صرف کیا یا پھر ایسی رسومات جن کا تعلق کسی دوسرے مذہب سے تھا لیکن اس میں اسلام کے ساتھ مضمر یا کسی یکسانیت کی وجہ سے اس رسم کو رہنے دیا گیا، جیسا کہ ہندوستان کے اندر چوتھا، چالیسواں وغیرہ رسم ورواج کا خاتمہ نہ ہوا، البتہ نام باقی رکھتے ہوئے اس کو ایصال ثواب سے

www.shibliacademy.org

تعبیر کر کے ان کی حیثیت کو جاری رکھا گیا۔

تصوف کی اسی رواداری کی وجہ سے لوگ ان صوفیہ سے مرعوب ہوئے اور قریب بھی۔ اس طرح ان کو اسلامی زندگی کو قریب سے سمجھنے کا موقعہ دیا گیا اور ایک ایسا وقت بھی آیا کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگ اسلام سے مشرف ہو گئے۔ کشمیر کی مثال بطور نمونہ ہے کہ یہاں کے ہندو صبح صبح اپنے مندروں میں زور زور سے پوجا پاٹ کرنے جاتے۔ جسے ایک متحرک مذہب کی علامت تصور کیا جاتا ہے، میر سید علی ہمدانیؒ نے اس کے ضمن میں اوراد فتحیہ کو ذکر بالجہر کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا اور یہ سلسلہ آج تک کشمیر میں جاری وساری ہے۔ اس کے برعکس چھوٹے چھوٹے مسائل میں شریعت کے سخت رویہ کو ظاہر کرنے سے اثر الٹا ہوا، مثلاً شاہمیری خاندان کے بادشاہ سلطان سکندر کا وزیر ملک سیف الدین ہے جو کہ نیا نیا اسلام میں داخل ہوا تھا اور علما سے نزدیکی کی وجہ سے ہندو عوام پر اسلام کی غلبہ کا اظہار کیا تو اس دور کے ہندو مورخین بھی اس کو برا بھلا کہنے میں کوئی رورعایت سے کام نہیں لیتے۔ (۱۰)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا جو فریضہ ہے خاکیؒ کے یہاں اس کا بھی ایک الگ معیار ہے۔ یہ خاص لوگوں کا اپنا طریقہ اور عام لوگوں کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ اس امر کی بابت ایک گروہ اولی الامر کا ہوتا ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن کو یہ حق حاصل ہے، وہ اولی الامر ہیں۔ اولی الامر سے مراد کئی قسم کے انسان ہیں جن میں امیر، حاکم اور علمائے حق بھی مراد ہیں، لیکن خاکیؒ اس کی تفصیل میں امیر اور حاکم سے مراد وہ امیر اور حاکم لیتے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں حاکم اور امیر مقرر فرمایا تھا۔ ان میں خلفائے راشدین بھی شامل ہیں اور صحابہ کرام بھی، لیکن اس کے بعد یہ منصب جید فقہا، ائمہ کرام اور عارفین باللہ یعنی مرشدین کاملین کو ملا۔ کیونکہ ان کے پاس اجتہاد کا دائرہ وسیع ہے اور ان کا امر بالمعروف ایک باہمی اتصال کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ ان کا علم، علم الیقین اور علم لدنی کا نتیجہ ہے۔ ان کی ارادت کسی نفسانی خواہش کا شکار نہیں ہوتی بلکہ ان کے یہاں نفس مغلوب اور شریعت غالب رہتی ہے۔ یہ امر بالمعروف والوں کا خاص گروہ ہے، دوسرا گروہ عام فہم علماء اور مبلغین کا ہے، ان کے یہاں رعب اور رہبری کا زیادہ شائبہ نظر نہیں آتا ہے۔ (۱۱)

حضرت خاکیؒ احیاء علوم الدین سے ایک اقتباس نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جو خاص لوگوں کا گروہ ہے یہ علمائے آخرت ہیں اور جو عام لوگوں کا گروہ ہے یہ علمائے دنیا ہیں۔ یہاں پر علمائے مکاشفہ اور

www.shibliacademy.org

علمائے معاملہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور غزالی کو بطور دلیل پیش کر کے خاکیؒ اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ مکاشفہ رکھنے والے کا مقام اعلیٰ ہے کیونکہ تمام علوم کو حاصل کرنے کی اصل غرض وغایت یہی ہوتی ہیں،(۱۲) مکاشفات سے گذر کر ایک عارف کے پاس جو علم ہوتا ہے وہ اس کے لیے کسی سند سے بھی زیادہ محکم اور وسیع ہے اور اس کا مصداق قرآن پاک کا وہ سبق ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سکھایا گیا۔

ایک غور طلب امر ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اسی اصول اور اجتہاد کی بنیاد پر اپنی روحانی سرشت کی مدد سے وحدت الوجود کے فلسفے کے ساتھ اختلاف کیا اور اس کی جگہ اپنا فلسفہ شہود وضع کیا۔ شیخ احمد سرہندیؒ ابن عربیؒ کے کشف ومشاہدہ کے اصول کو اگرچہ حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن ابن عربیؒ کی اس بات کا رد کرنے کے بعد شیخ احمد سرہندیؒ بھی اپنے کشف وشہود کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے یہاں ارتقائے سلوک کے تین درجے ہیں: ایک وجودیت دوسرا ظلیت اور تیسرا عبدیت۔ وجودیت دراصل محض فنائیت ہے اور اس کے آگے بھی اور بڑی دنیا ہے۔ ''شیخ مجدد کشف ومشاہدہ کی بنیاد پر شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک مدارج سلوک کے اعتبار سے ابن عربی کے مکشوفات ومشاہدات کمتر درجے کے ہیں۔ جب کہ کشف ومجاہدہ میں وہ خود ان کے مقابلے میں بہت آگے ہیں''،(۱۳) ان الفاظ سے بڑھ کر اجتہاد در طریقت کا مطلب اور کچھ ہو نہیں سکتا۔ اصول وہی ہیں البتہ استنباط مسائل سلوک کا طریقہ الگ الگ۔

خاکیؒ اپنی علمی حیثیت کا مظاہرہ کر کے اپنی کتاب میں جگہ جگہ تصوف کی بنیادی کتب سے قاری کا خیال اسی اجتہاد پر گامزن کرتے ہیں۔ کہیں اطوار سبعہ تو کہیں مکانیات کا ذکر، اگرچہ یہ اصطلاحات خارجی دنیا میں کسی بھی طریقے سے تشریحات میں نہیں لائی جاسکتی ہیں، تاہم خاکیؒ اس کا ادراک کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں ''عبادت کے طریقے شریعت ہی کے مطابق ہیں اور طریقت کا کمال عمل کی خاصیتوں اور برکت سے پردے اُٹھا کر اللہ کے جلووں کے لیے آمادہ اور بے انتہا رازوں کا جاننے والا بننا ہے اور حقیقت سے مراد یہی حال ہے''،(۱۴) طریقت کے ان رازوں سے پردہ اُٹھانے کے لیے وہ اپنی دلیل میں میر سید محمد ہمدانیؒ فرزند امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کی عبارتوں سے استفادہ

www.shibliacademy.org

کرتے ہیں کہ یہ وہ اطوار سبعہ ہیں جن کے پردے اٹھا کر ایک عارف مجتہد کے درجے پر فائز ہوتا ہے، یہ اطوار سبعہ: ۱۔طور جن ۲۔طور نفس ۳۔طور قلب ۴۔طور روح ۵۔طور سر ۶۔طور خفی ۷۔طور غیب الغیب اور یہی ساتواں مقام وقار و تمکین کا مقام ہے۔

خاکیؒ کے مطابق طور جن، جو اس مقام کا انتہائی بدترین درجہ ہے سالک کے لیے اس سے باہر نکلنا بے حد ضروری ہے اور اس کا واحد راستہ شریعت کا زینہ ہے جس سے وہ ہدایت حاصل کرتا ہے اور طریقت کی طرف گامزن ہوجاتا ہے۔اور اطوار کو طے کرنے کے لیے سالک کے اندر کامل چند نکات کا ہونا ضروری ہے، اول طلب و جستجو، دوم مرشد اور رہبر کی ضرورت، اور ثالثاً استقامت۔اسی چیز کا نام ارادت ہے اور اسے حاصل کرنے کے بعد سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ارادت اور عقیدت کے حاصل ہونے پر خوش رہے، اس کے زوال سے ڈرتا رہے اور ایسی باتوں سے پرہیز کرتا رہے جو عمل اور اعتقاد کی رو سے ارادت کو برباد کرنے والی ہو۔اس میں ایک بات کا ہونا ضروری ہے۔وہ ہے مرشد اور وہ بھی جو ان اطوار سے گذر چکا ہو اور محفوظ ہو چکا ہو۔ایسا ''محفوظ و مامون مرشد وہی ہوگا جو کہ شریعت جانتا ہو۔طریقت سے واقف ہو اور حقیقت سے باخبر ہو''۔(۱۵)

مجتہد فقہی اور مجتہد در طریقت میں یہ اختلاف ان کی اپنے شیخ کی مدح میں طریقت کے بادشاہوں کے لیے ایک نیا دروازہ کھولتا ہے۔طریقت کا یہ اجتہاد اجلہ صوفیہ کی کاوشوں میں ایک سوال کا جواب فراہم کرتا ہے کہ یہ مجتہد آخر اپنے پیچھے اتنے ماننے والوں کی بھیڑ کیوں کر چھوڑ جاتے ہیں۔ان کے یہاں وقار اور تمکین کا راستہ تو طالب کے لیے کھولنا ہے اور خود تو یہ اسرار اور معرفت کے راستے طے کیے ہی ہوتے ہیں اب دوسروں کے تمکین اور وقار کا باعث بننا ہوتا ہے۔یہاں چار سو خطرات سے دوچار راستہ ہے لیکن یہ مجتہد اپنے تجربہ اور محنت شاقہ سے اس راستے پر اپنے مریدین کے لیے ایسا اجتہاد کرتا ہے جو اس کے لیے باعث نفع ہو اور نجات کی راہ ہو۔مجتہد در طریقت دراصل مجتہد در شریعت سے بھی مانوس ہے اور اس راہ پر چلنے سے پہلے اس کی طرف ہی دیکھتا ہے لیکن اس ذیلی دنیا کی ہر مشکل کا بروقت علاج صرف ان ہی کے پاس ہوتا ہے۔

www.shibliacademy.org

حواشی وحوالے

(۱) محمد صدیق نیاز مند، ہفت گنج سلطانی، اویس وقاص پبلشنگ ہاوس، ہاوسنگ بورڈ کالونی، سری نگر، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰۲۔ (۲) ڈاکٹر محمد عرفان ڈھلوان، علم اصول فقہ، ۳ جلد، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد پاکستان، ۲۰۱۲ء، جلد ۳، ص ۷۔ (۳) ایضاً، ص ۸۔ (۴)۔ شیخ بابا داود خاکیؒ، حرز المحبین ترجمہ دستور السالکین وشرح ورد المریدین، ۲ جلد، مترجم وتحقیق ڈاکٹر خواجہ محمد طیب صدیقی، شعبہ نشر واشاعت ادارہ بقعہ عالیہ حضرت محبوب العالم قدس سرہ، ۱۹۷۳ء، جلد ۱، ص ۴۳۔ (۵) ایضاً، ص ۴۴۔ (۶)۔ ایضاً، ص ۴۶۔ (۷) ایضاً، ۱۴۹، ۵۰۔ (۸)۔ ایضاً، ص ۵۰۔ (۹) ایضاً، ص ۵۱۔ (۱۰) شاہمیری خاندان نے کشمیر پر ۱۳۳۹ء سے لے کر ۱۵۵۱ء تک حکومت کی۔ سلطان سکندر (۱۳۳۹ء-۱۴۱۳ء) اس خاندان کا چھٹا بڑا حکمران تھا، اس کے دور میں میر سید محمد ہمدانیؒ فرزند میر سید علی ہمدانیؒ کے ہاتھوں پر سیہ بٹ نامی ایک ہندو وزیر نے اسلام قبول کیا، جونراج اسی کو ہندو پنڈتوں پر ظلم کرنے والا ٹھہراتا ہے بلکہ اس کے ماتھے قتل وغارت، مندروں کو مسمار اور زبردستی ٹیکس وصولی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ (جونراج، راج ترنگنی کنگس آف کشمیر ا۔ ۱۱۵۰ تا ۱۴۴۹ء)، مترجم جے سی دت، ایڈٹ، گلشن مجید، جے کے بک شاپ، سری نگر، ۲۰۰۷ء، ص ۴۴۔ (۱۱)۔ حرز المحبین ترجمہ دستور السالکین و شرح ورد المریدین، جلد ۱، ص ۴۸۔ (۱۲) ایضاً، ۴۷۱۔ (۱۳) پروفیسر ڈاکٹر ملک مرتضیٰ، وحدت الوجود اور وحدت الشہود، ابن عربی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور عبید اللہ سندھی کے نظریات، ملک سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز، مکہ کالونی، گلبرگ، لاہور، ص ۲۱۔ (۱۴) حرز المحبین ترجمہ دستور السالکین وشرح ورد المریدین، جلد ۱، ص ۴۴۔ (۱۵) ایضاً۔

بزم صوفیہ

از

سید صباح الدین عبد الرحمٰن

قیمت ۳۵۰ روپے

www.shibliacademy.org

اخبار علمیہ

''کیبل کار کا منصوبہ''

مکہ میں جبل النور پر ''کیبل کار'' نصب کرنے کے منصوبہ پر غور کیا جارہا ہے۔ اس ضمن میں شہری منصوبہ بندی سے متعلق متعدد سرکاری اداروں کی جانب سے ترقیاتی پروگرام پر مشتمل رپورٹ متعلقہ وزارت کو پیش کردی گئی ہے۔ سفارشات میں اسلامی تاریخی اہمیت کے حامل مقامات کے متعلق کہا گیا تھا کہ جبل النور اور جبل النور کے زائرین کی سہولیت کے ترقیاتی کام کیے جائیں۔ چنانچہ غارِ حرا کی پہاڑی پر کیبل کار نصب کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ موصولہ اطلاع کے مطابق کیبل کار انتہائی جدید نوعیت کی ہوگی جس کے ذریعہ زائرین غار حرا تک بہ آسانی پہنچ سکیں گے۔ کیبل کار جبل النور پر غار حرا سے کچھ پہلے بنے پلیٹ فارم تک زائرین کو لائے گی۔ اس کے بعد کی مسافت پاپیادہ طے کرنی پڑے گی۔ واضح رہے کہ جبل نور، مسجد حرام کے شمال مشرقی سمت میں ہے اور یہ وہ پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر غارِ حرا واقع اور اس کو اولین مہبطِ وحی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس کی بلندی ۶۴۲ میٹر ہے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ کا خوبصورت منظر دکھائی دیتا ہے اور النور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مکہ میں اپنی نوعیت کی یہ واحد پہاڑی ہے جو اپنی منفرد ساخت کے سبب دور سے پہچانی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل بلدیہ کی جانب وسیع پیمانے پر غار حرا کی صفائی اور تزئین کا کام مکمل کیا گیا۔ اس دوران پتھر پر کندہ زائرین کی تحریروں کو بھی صاف کرتے ہوئے غار کی اصلی صورت کو بحال کیا گیا تھا۔ (اردو نیوز، ہوم پیج سعودی عرب، ۱۹/اگست ۲۰۲۰ء، ۱۴:۳۵)

''کتب خانوں کو جدید بنانے کے اقدامات''

حیدرآباد کی ۸۲ لائبریریوں میں تقریباً ۱۲ لاکھ قارئین ہر ماہ کتابیں پڑھتے ہیں لیکن قارئین اور لائبریریوں کی بعض بنیادی ضرورتوں کی جانب توجہ نہیں تھی۔ خبر ہے کہ اب لائبریریوں میں پینے کے پانی کی سہولت، عمارتوں کی مرمت، تمام لائبریریوں میں ضروری فرنیچر کی فراہمی اور مسابقتی امتحانات کے لیے تیاری کرنے والے طلبہ کو مطلوبہ مطالعاتی مواد دستیاب کرایا جائے گا۔ وزیر سری نواس نے

www.shibliacademy.org

ہدایت دی ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر لائبریریوں کی ترقی سے متعلق جامع رپورٹ تیار کر کے یکم ستمبر کو ہونے والے اجلاس میں پیش کی جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جی ایچ ایم سی کی جانب سے ماہانہ پندرہ لاکھ روپے جاری کیے جارہے ہیں۔ اس رقم میں حسب ضرورت اضافہ بھی کیا جائے گا۔ وزیر بلدیاتی نظم و نسق تارک راماراؤ نے سکندرآباد گیس منڈی میں جی ایچ ایم سی کے فنڈ سے ۳ کروڑ روپے کی لاگت سے جدید سہولت سے آراستہ ایک ڈیجیٹل لائبریری کی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ یہ عمارت جلد ہی تعمیر ہوکر قارئین کے لیے کھول دی جائے گی۔ یہ ڈیجیٹل لائبریری ریاست کی ماڈل لائبریری ہوگی۔ تمام لائبریریوں میں جی ایچ ایم سی کی طرف سے بیت الخلا کی تعمیر کے لیے اقدامات کیے جارہے ہیں۔ اناپورنا سنٹر کے ذریعہ لائبریریوں کے قارئین کے لیے ۵ روپے میں کھانے کی سہولت فراہم کرنے کا حکومت کا ارادہ ہے۔ لائبریری کی ترقی اور نگرانی کے لیے متعلقہ سرکاری افسران کلکٹر وغیرہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ لائبریریوں کے لیے ضروری عملہ کا آؤٹ سورسنگ کی بنیاد پر تقرر کا جائزہ لیں، خستہ حال عمارتوں کی تجاویز تیار کریں اور یکم ستمبر کو ہونے والے اجلاس میں اسے پیش کریں۔ (اعتماد، حیدرآباد، ۱۹/اگست ۲۰۲۰ء، ص ۲۷۔)

''سیٹلائٹس کو خطرہ''

ناسا کے سائنس دانوں نے انکشاف کیا ہے کہ زمین کے مقناطیسی میدان میں پڑنے والا شگاف اب مزید وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی قوت کھو رہا ہے جس سے زمین کے قریب چکر لگانے والے مصنوعی سیاروں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق زمین کا مقناطیسی میدان اسے سورج کی الٹراوائلٹ شعاعوں اور خلائی تابکاری سے بچاتا ہے، مقناطیسی میدان میں پڑنے والے اس شگاف کو سائنس دانوں نے ''ساؤتھ اٹلانٹک اناملی'' کا نام دیا ہے۔ انہیں خدشہ ہے کہ جنوبی امریکہ کے اوپر اس سوراخ کی وجہ سے یہ شعاعیں زمین میں داخل ہوسکتی ہیں۔ یہ مغرب کی جانب بڑھ رہا ہے اور تقسیم ہورہا ہے۔ اس سے زمین کی روزمرہ کی زندگی پر اثرات نہیں پڑتے۔ زمین کے گرد ایک مقناطیسی دائرہ بنا ہوا ہے۔ یہ دائرہ زمین کی ۱۸۰۰ میل گہرائی میں مانع شکل میں موجود لوہے کی وجہ سے پیدا ہورہا ہے۔ اس مانع لوہے کی مسلسل حرکت کے سبب یہ دائرہ بھی مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ ان

www.shibliacademy.org

تبدیلیوں کی وجہ سے زمین کے محور میں بھی تبدیلی ہورہی ہے۔ ماہرین کو اندیشہ ہے کہ اس خطہ میں اس شگاف کی موجودگی کی وجہ سے اس کے اوپر سے گزرنے والی سیٹلائٹس شارٹ سرکٹ کا شکار ہوسکتی ہیں۔ سائنس داں شگاف کی مسلسل نگرانی کررہے ہیں۔ تاکہ زمین میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور اس کے زمین پر ہونے والے اثرات پر نگاہ رکھ سکیں۔ (سیاست، حیدرآباد، ۲۱/اگست ۲۰۲۰ء، ص ۷)

''گاندھی جی کی عینک کی نیلامی''

برطانیہ کے شہر برسٹل کی ایک نیلامی ایجنسی نے ڈاک میں ملنے والی گاندھی جی کی عینک کو دولاکھ ۶۰ ہزار پاؤنڈ یعنی ہندوستانی ڈھائی کروڑ روپے سے زیادہ میں نیلام کیا ہے۔ اس کو نوادرات جمع کرنے کے شوقین امریکہ کے ایک کلکٹر نے نیلامی شروع ہونے کے ۶ منٹ کے اندر ہی خرید لیا۔ نیلامی سے وابستہ شخص کا کہنا ہے کہ انہیں ۳/اگست کو ایک سادہ لفافہ میں یہ عینک ان کے لیٹر بکس میں ملی تھی۔ اس کا مالک ایک معمر شخص ہے جو مینکاٹس فیلڈ میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے بیان کے مطابق اس کے چچا نے یہ عینک اس کو اس وقت دی تھی جب وہ جنوبی افریقہ میں کام کررہے تھے۔ غالباً ۱۹۱۰ء اور ۱۹۲۰ء کا زمانہ ہوسکتا ہے۔ تقریباً پچاس سالوں سے اس کی حفاظت کرنے کے بعد اس نے اس عینک کو پھینکنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن اب اس سے اس کو اتنی بڑی رقم مل گئی ہے کہ اس کی زندگی سنور سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں تحریر تھا کہ ''یہ گاندھی کی عینک ہے''، اس کے مالک کا کہنا تھا کہ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں اس کے خاندان کے کسی فرد نے جنوبی افریقہ کے دورے کے دوران گاندھی جی سے ملاقات کی تھی۔ ان سے یہ عینک نئی نسل کو وراثت میں ملی تھی۔ نیلامی ایجنسی کی وضاحت میں کہا گیا ہے کہ عینک کی تاریخ جاننے کے لیے تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ گاندھی جی کے عینک پہننے کا وقت وہی ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ وہ پہلی عینک ہو جو باپو کے استعمال میں آئی ہو۔ (اورنگ آباد ٹائمز، مہاراشٹر، ۲۳/اگست ۲۰۲۰ء، ص ۱) (ک۔ص۔ اصلاحی)

www.shibliacademy.org

وفیات

ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی مرحوم

(۱۹۴۳-۲۰۲۰ء)

اللہ تعالیٰ کی مصلحت کو کون سمجھ سکتا ہے، لیکن ان دنوں جس طرح زندگی اور موت کی کشمکش میں موت کی بالادستی بلکہ چیرہ دستی کا منظر عام ہے اور خزاں کا موسم نہ ہوتے ہوئے بھی گلشن ہستی کی روش روش پامال ہے، اس کے لیے جیسے اب ان احساسات کو الفاظ کا سہارا بھی نہیں، اخبارات ورسائل نہ ہوئے جانے والوں کا ماتم کدہ بن گئے، ایسے میں خبر آئی کہ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی بھی دارِ آخرت منتقل ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قرآن وحدیث وسنت کے علوم کے جید ماہر ومحقق کی حیثیت سے انہوں نے شہرت کی نعمت پائی، اس چھوٹے سے جملے کی تفصیل کچھ اور ہی شان رکھتی ہے، اعظم گڑھ کی خاک سے ان کی تشکیل ہوئی اور یہ کیا عجب معاملہ ہے کہ عالم عرب واسلام میں رہ کر جن علما نے اسلامی علوم خصوصاً قرآن وحدیث کی غیر معمولی خدمت انجام دے کر ہندوستان اور اس کے علم وعلما کے تاج فضیلت میں گہر ٹانکے وہ سب کے سب اعظم گڑھ کی سرزمین سے اٹھے اور عالم عرب کے دینی حلقوں پر چھا گئے، پہلے ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی اور اب ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی، دونوں اپنے رب کے جوار رحمت میں ہیں، تیسرے ڈاکٹر تقی الدین ندوی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حیات وخدمات میں برکت عطا فرمائے، تینوں حضرات کی خدمات سے برصغیر جتنا کم واقف ٹھہرا، عالم عرب اتنا ہی زیادہ ان کا قدردان نکلا، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے قریب دوسال پہلے ریاض میں وفات پائی، مدیر معارف پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے معارف میں ان کا ماتم کیا، اگر اعظمی مرحوم کے نام کی جگہ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی کا نام رکھ دیا جائے تو بھی اصل مضمون کی مماثلت میں زیادہ فرق نہیں رہے گا۔ ہاں ایک بات ہمیشہ ضیاء الرحمٰن اعظمی کو دوسروں سے ممتاز کرتی رہے گی کہ ۱۹۴۳ء میں زندگی کا سفر شروع کرنے والا ایک بچہ بانکے رام یا بانکے لال کے نام سے جانا گیا لیکن ۶۰ء تک آتے آتے یہ ظلمات سے نور کا سفر بن گیا، شبلی کالج کے طالب ہونے تک وہ بانکے رام ہی رہے لیکن کتاب دین حق ہاتھوں میں کیا آئی اور ان الدین عند اللہ الاسلام کا چیلنج نما دعویٰ اس طرح سامنے آیا کہ رشد وہدایت کی منزل قریب سے قریب تر ہوگئی، بلریا گنج کے حاذق حکیم مولانا

www.shibliacademy.org

محمد ایوب نے مسیحائی کی، ضلع کی زمین کو تنگ ہونا ہی تھا، ایسے میں ہجرت کی سنت ادا کرنے کی سعادت ملی، وہ دارالسلام عمر آباد ٹامل ناڈو پہنچے، عربی اور دینی علوم نے ان کو اپنی آغوش میں لیا اور پھر زندگی کا وہ موڑ آیا جب بلریا سے بلادِ عربیہ کے قلابے مل گئے، گریجویشن مدینہ منورہ سے تو پوسٹ گریجویشن مکہ مکرمہ سے اور ڈاکٹریٹ ازہر مصر سے، ہندوستان کے لاتی ومناتی ماضی والے علامہ شبلی وعلامہ اقبال تو علمی دنیا میں یہدی اللہ لنورہ من یشاء کی قابل رشک مثال تھے ہی، شبلی کالج کے بانکے رام کو مدینہ منورہ کی یونیورسٹی میں علم حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھنا ایک ایسا معاملہ ہے جس کے لیے رشک کا لفظ بھی کافی نہیں۔

دیکھا جائے تو اس عالم رشک کی جلوہ سامانیوں میں حکیم ایوب اور دارالسلام کے مولانا عبدالواجد رحمانی سے مولانا حفیظ الرحمٰن عمری اور پھر ڈاکٹر تقی الدین ہلالی سے شیخ عبدالمحسن بن حماد العباد تک سارے اساتذہ اور مربی شامل ہیں۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمت بجائے خود کس اعزاز سے کم ہے، ساتھ ہی تصنیف وتالیف کی وادیوں کی سیر نے کیسے کیسے مقامات سے ملاقات کرادی، ان کی سب سے مشہور اور فخر وناز کے لائق کتابوں میں پہلا نام ''الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل'' کا ہے، گو یہ بہت بعد یعنی ۲۰۱۶ء میں بارہ جلدوں میں شائع ہوئی، لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ ان سے بار بار کہا جاتا کہ شریعت کے دو مآخذ قرآن وسنت ہیں، قرآن تو سامنے ہے دوسرا ماخذ کہاں ہے، اور اس سے استفادہ کی کیا شکل ہے، یہ کتاب اسی سوال کے جواب میں پندرہ سال کی حد درجہ محتاط محنت وجستجو کا ظہور ہے، محتاط ان معنوں میں کہ خود مولف کا خیال ہے کہ اس میں ننانوے فی صد صحیح احادیث ہیں، صد فی صد اس لیے نہیں کہتے کہ یہ امتیاز تو صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب کے لیے ہے، انہوں نے اس کتاب سے استفادہ کی ایک راہ یہ بھی نکالی کہ بارہ جلدوں کی تلخیص پانچ جلدوں میں کردی، علم وفن حدیث میں ان کی اس معراج کی پہلی جست حضرت ابوہریرہؓ کی شخصیت اور ان کی مرویات میں تحقیق اور ان پر کم علموں کے اعتراض کا رد ہے، انہوں نے ایک گفتگو میں بتایا کہ مرویات ابوہریرہؓ کی کثرت سے معترضین کے ذہن میں کئی اشکالات آئے، بظاہر ان میں کچھ دم بھی تھا لیکن انہوں نے ثابت کیا کہ یہ کثرت روایات کی نہیں اسانید کی ہے، جس کو دیکھتے ہوئے پانچ ہزار سے زیادہ مرویات زیادہ سے زیادہ دو ہزار رہ جاتی ہیں، حضرت ابوہریرہؓ دربارِ رسالتؐ کے مستقل حاضر باش تھے، حیات سرور کائناتؐ کے آخری ایک ہزار دن

www.shibliacademy.org

حضرت ابوہریرہؓ کے نصیب میں آئے، اس حساب سے ایک دن میں ان کی صرف دو روایتیں ہی آتی ہیں، سب سے پہلے جب یہ تحقیق شائع ہوئی تو ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے اس کو پڑھ کر ایک مضمون لکھا اور نہایت اور بامعنی و دلچسپ عنوان یہ دیا کہ ''عفوا یا اباھریرۃ'' اے ابوہریرہ! ہم آپ سے معافی کے طلب گار ہیں، اعظمی صاحب کی یہ تحقیق ''ابوھریرۃ فی ضوء روایاتہ'' کے نام سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی، پھر فن حدیث کے تعلق سے دراسات فی الجرح والتعدیل، معجم مصطلحات الحدیث ولطائف الاسانید، المدخل الی السنن الکبریٰ للبیہقی، ثلاثۃ مجالس من امالی ابن مردویہ، المنۃ الکبریٰ اور ان کے علاوہ کئی اور کتابیں جیسے کتاب الادب العالی، تحفۃ المتقین، دراسات فی الیہودیۃ والنصرانیۃ، فصول فی ادیان الھند، التمسك بالسنۃ وغیرہ بھی علوم اسلامیہ کے خزانہ میں بیش قیمت اضافہ کرتی رہیں، آخر میں ان کی اس کتاب کا ذکر ناگزیر ہے جو مقبولیت میں سب سے آگے نکل گئی، یہ قرآن مجید کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اصلاً یہ ہندی میں لکھی گئی اور ایک اور کتاب ''قرآن کی شیتل چھایا'' ہندی میں اس لیے لکھی گئی کہ خون اور قرابت کے رشتہ سے زیادہ جس رشتہ کی ان کے برادرانِ وطن کو ضرورت ہے یہ کتاب اس تقاضا کو پورا کرے، انسائیکلوپیڈیا میں قریب چھ سو موضوعات کی تفصیل ہے، اس کا اردو ایڈیشن ہمارے سامنے ہے، ڈاکٹر صاحب کے متعلق معلومات کا بڑا ذریعہ بھی یہی کتاب ہے، اس کتاب میں قرآنی اسماء واماکن کے علاوہ موضوعات پر جس طرح معلومات کو یکجا کیا گیا ہے وہ ڈاکٹر صاحب کے طرز مطالعہ کی گہرائی کا بہترین ثبوت ہے، عام طور سے تفسیروں میں بھی وہ معلومات نہیں ملتیں جو اس کتاب میں موجود ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ اس انسائیکلوپیڈیا کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب ۳۰ جولائی کو اس شان سے رخصت ہوئے کہ نماز جنازہ کے لیے مسجد نبویؐ کا صحن اور مٹی جنت البقیع کی ملی، بلریا کے بانکے کا یہ بانکپن بس محسوس کرنے کی چیز ہے، درحقیقت وہ اکیسویں صدی میں اسلام کی حقانیت کی ایسی تعبیر جدید تھے جس کو آیت من آیات اللہ ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کی دنیا کو حسنہ سے معمور کیا آخرت بھی حسنہ والی بنائے، دعا ان کے لیے بھی اور ہر صاحب ایمان کے لیے، رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

(ع۔ص)

www.shibliacademy.org

ادبیات

نعت

☆ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

یہی نہیں کہ فقط انؐ کا نام روشن ہے
مرے رسولؐ کی سیرت تمام روشن ہے

فلک پہ جس طرح روشن ہیں مہر و ماہ و نجوم
یونہی مدینے کا ہر قصر و بام روشن ہے

جہاں جہاں مرے آقاؐ کے پڑ گئے ہیں قدم
زمیں سے تا بہ فلک ہر مقام روشن ہے

ہے کون، انؐ کے سوا، جس کا سب رسولوں کے
صحیفوں اور کتابوں میں نام روشن ہے

جو پڑھ رہا ہے درود و سلام شام و سحر
سحر بھی اس کی درخشاں ہے، شام روشن ہے

جو چاہے آج بھی کرسکتا ہے حصولِ ضیاء
چراغِ اسوۂ خیرالانامؐ روشن ہے

مرے کلام سے پھر کیوں نہ روشنی پھیلے
لبوں پہ شمع درود و سلام روشن ہے

رئیسؔ راہِ رسولِ ہدیٰ ہے راہ مری
یہ راہ وہ ہے جہاں گام گام روشن ہے

غزل

☆☆جناب وارث ریاضی

قربِ منزل میں نہ پنہاں دوریِ منزل میں ہے
لذتِ صحرا نوردی جہدِ لاحاصل میں ہے

ہم نہ قائد ہیں نہ واعظ ہیں نہ میر اقتدار
ہم وہی کہتے ہیں سب سے جو ہمارے دل میں

یہ اسیر فکر و فن ہے وہ حریص مال و زر
اک یہی فرق نمایاں عالم و جاہل میں ہے

جو بھی دیکھے گا اسے، اڑ جائیں گے اس کے حواس
رقص بسمل کا جو منظر کوچۂ قاتل میں ہے

رہبر غافل غبارِ راہ میں گم ہوگیا
ہمت منزل رسی فکرِ رہِ منزل میں ہے

نذرِ طوفاں خشکی سالی نہ اب کردے اسے
وہ جو ''پندارِ سکوں'' آسودۂ ساحل میں ہے

مجرموں پر لطف پیہم، بے قصوروں پر عتاب
یہ نظام عدل و حکمت کس قدر مشکل میں ہے

بے بسی نے چھین لیں وارثؔ سبھی سرگرمیاں
اب کہاں جینے کی حسرت آدمی کے دل میں ہے

☆نعمانی منزل، مکان نمبر ۴/ ۷۰۴، جے۔ ۲۴، ہمدرد نگر۔بی، (جمال پور) علی گڑھ، فون: ۹۸۹۷۸۲۹۷۷۷۔

☆☆کاشانۂ ادب، سکٹا، دیوراج، مغربی چمپارن (بہار)، فون: ۸۲۲۸۹۰۲۵۸۴۔

www.shibliacademy.org

مطبوعات جدیدہ

بھوپال کا علمی وادبی کارواں از جناب حکیم سید ظل الرحمٰن، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۷۰، قیمت ۲۷۵ روپے، پتہ: ابن سینا اکیڈمی، تجارہ ہاؤس، دودھ پور، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

بھوپال کا تصور آتے ہی کسی شاعر کا یہ خیال ذہن پر چھا جاتا ہے کہ اک شہر دیکھا تھا کبھی، اس شہر کی کیا بات ہے۔ واقعی جہاں سب پھول دروازوں پہ ہوں اور سب رنگ آوازوں میں ہوں، اس شہر کے کیا کہنے، کوہ وکمر، دشت ودمن، البیلے نشیب وفراز، جھیلیں، باغ اور سبزہ، قدرت کے حسن کے اظہار کو اور کیا چاہیے لیکن اس شہر کی تاریخ نے بس اسی دولت کو غنیمت نہیں جانا، اس چھوٹے سے شہر بلکہ چھوٹی سی ریاست نے اپنے وجود کے دوڈھائی سو برسوں میں علم وفضل، حکمت ودانش، ادب وشعر اور سب سے بڑھ کر اسلامی دینی شعائر اور مآثر کا جو دلآویز مرقع پیش کیا، پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ہند کی دوسری تمام ریاستیں بھوپال سے آنکھ ملانے پر بہ مشکل ہی تیار ہوسکتی ہیں، یقیناً ہندوستان کی کئی ریاستوں کو ترکی صغیر، شیراز ہند، دارالسرور کہا گیا لیکن اسلامی اقتدار وعظمت کے سب سے بڑے نشان شہر بغداد کا عکس اگر ہندوستان میں نظر آیا تو وہ شہر بھوپال ہی رہا، بغداد ہند کی تاریخ میں ایسی دلکشی ہے کہ جب جب اور جس طرح اسے سنایا گیا نیا لطف ہی ملا، اس کتاب کا مطالعہ بھی قاری سے ایسا رشتہ قائم کرلیتا ہے کہ آغاز واختتام کی وقتی حدوں کا احساس تک نہیں ہوتا اور یہ تب ہے جب اس کتاب میں بھوپال اور اس کی بیگمات کی نادرالمثال حکومت وسیاست کا ذکر نہیں، صرف وہاں کی علمی وادبی تاریخ کے صفحات ہیں جن میں علم وادب ومذہب کی نمائندہ شخصیتوں کے مرقعے ہیں، لیکن ان کا کینوس اتنا وسیع اور پس منظر میں اتنے رنگ ہیں کہ دیکھنے والا خود ہی تصویر بن جاتا ہے، شخصیات سے جدا مضامین دیکھے جائیں تو صرف چار ہیں اور وہ یہ ہیں، بھوپال کی ایک تاریخی ڈائری، مثنوی توصیفات شاہجہانی، بھوپال میں تجارہ کا ایک خاندان اور بھوپال میں علمی تصانیف، شروع کے دو مضامین اصلاً ان نادر مخطوطوں کا مفصل تعارف ہیں جو فاضل مصنف کے خزانہ علمی ابن سینا اکیڈمی کے لیے موجب فخر ہیں، بھوپال کی تاریخی ڈائری کی ایک خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ نہ تو حکومت وقت کی خوشنودی کے مطابق ہے اور نہ ہی حکومت کے مخالفین کی محض دشمنی کا اظہار ہے، یہ قطعی غیر جانب دار اور ایک فاضل عصر حکیم جناب اشرف محمد خاں کی گویا بیاض ہے، جس میں ان کے طبی نسخوں کے علاوہ اہم واقعات، نامور شخصیتوں کے حالات اور تاریخ وفات کا ذکر ہے، دوسرا مضمون توصیفات شاہجہانی ہے جس کی

www.shibliacademy.org

دریافت اور تعارف دونوں فاضل مصنف کے قلم کی قسمت میں تھے، نواب شاہ جہاں بیگم کے نام ہی میں قسام ازل نے شاید دلی و آگرہ کے شاہجہاں نام کی تاثیر رکھ دی تھی کہ بھوپال کی ساری شاندار مسجدیں اور عمارتیں دور شاہجہانی سے انتساب پر آج بھی فخر کرتی ہیں، یہی نہیں بھوپال کی علمی وادبی سطوت وشوکت میں بھی ان کا عملی حصہ یوں رہا کہ وہ خود شاعرہ تھیں، شیریں اور تاجور تخلص کرتی تھیں اور بالکل صحیح کہا گیا کہ اس زمانہ میں ہندوستان کی کسی ریاست یا شہر میں خواتین میں شاعری اور اس سے دلچسپی کی ایسی کوئی روایت نہیں جو بھوپال میں نواب شاہجہاں بیگم کی بدولت نظر آتی ہے، شعرا کی اتنی بڑی تعداد شاید اس وقت دلی وحیدرآباد میں بھی نہیں تھی، اس زمانہ میں مثنوی پر خاص توجہ بھی مطالعہ تاریخ بھوپال کا نیا گوشہ سامنے لاتی ہے، اس مضمون میں ایسی ہی مثنویوں کا بہترین جائزہ لیا گیا ہے، ایک مضمون علی گڑھ اور بھوپال کے عنوان سے اور نواب سلطان جہاں بیگم کے خصوصی حوالے سے ہے، سرسید، شبلی، شاہجہاں بیگم اور پھر سلطان جہاں بیگم، ان سب کے ذکر سے یہی لگتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے شاندار وجود میں رنگ وروغن بھوپال ہی کا ہے، اس کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ سلطان جہاں بیگم وہ واحد فرماں روا ہیں جو سات بار علی گڑھ تشریف لائیں اور بیٹے نواب حمید اللہ خاں کو بھی علیگ بنانے کی آرزو پوری کرنے میں کامیاب ہوئیں، نواب حمید اللہ خاں کا ذکر انگریزوں کے ہندوستان اور بعد کے جمہوری ہندوستان کی تاریخ میں اب تک اس گہرائی اور سنجیدگی سے نہیں کیا گیا جس کے وہ اپنی بیدار مغزی، اصابت رائے اور دور اندیشی کی وجہ سے مستحق ہیں، اسی طرح اس کتاب کے ذریعہ فروغی اور محمد احمد سبزواری کی یادوں کو نئی زندگی مل گئی، مولانا عمران خاں ندوی سے رضیہ حامد تک جن شخصیتوں کا ذکر ہے وہ یقیناً ایسے مشاہیر کی فہرست ہے جس سے ایک دنیا واقف ہے، لیکن ان سب کا ذکر جب ایک حاذق نباض اہل قلم کے ذریعہ ہو تو ظاہر ہے مطالعہ کو نئی زندگی مل ہی جاتی ہے۔

حفیظ جونپوری — ارباب ادب کی نظر میں، از جناب محمد عرفان جونپوری، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۹۶، قیمت ۱۷۳ روپے، پتہ: عدیلہ پبلی کیشنز، ڈومن پورہ (کساری) مئوناتھ بھنجن اور ملک کے مشہور مکتبے۔

جونپور کی زبان کو ٹکسالی رتبہ دینے کا دعویٰ اور جونپور کو لکھنؤ بنا دینے کی ہمت اسی کو زیب ہے جو واقعی زبان و بیان کو اپنے بس میں رکھنے والا ہو، حفیظ جونپوری آج ممکن ہے عوامی حافظے سے کہیں دور جا چکے ہوں لیکن امیر وداغ کے فیض یافتہ اور حسرت موہانی کے محبوب و پسندیدہ شاعر کی حیثیت

www.shibliacademy.org

سے وہ شعر وسخن کے رنگین ایوانوں اور خاص دیوانوں میں ہمیشہ عزت واحترام اور حسن قبول کی مسند پر جلوہ آرا نظر آتے رہے اور رہیں گے، اس کتاب کے صاحب کرامت مولف نے اگر حفیظ کو نئی زندگی دی اور دبستان جونپور کی بزم دوشیں کی رونق واپس لانے کی کوشش کی تو جونپور اور اس کی تاریخ اور ماضی قریب وبعید کو یقیناً ایسے لائق وفاضل فرزند پر فخر وناز کا حق ہے، کتاب کئی ابواب پر مشتمل ہے، باب اول میں حفیظ کے شعری مجموعوں میں شامل دیباچے اور پیش لفظ وغیرہ جمع کیے گئے ہیں جو کامل جونپوری، نظام جونپوری، محمود الٰہی، محبوب الرحمٰن فاروقی، طفیل انصاری اور شمس الرحمٰن فاروقی کے قلم سے ہیں، باب دوم میں ان کی شخصیت اور شاعری پر مولانا عبدالسلام ندوی، مجنوں گورکھپوری، پروفیسر فضل امام، ایس ایم عباس، طفیل انصاری، ایم نسیم اعظمی، ابوذر انصاری اور تابش مہدی وغیرہ کئی ممتاز اہل قلم کی تحریریں آگئیں، باب سوم میں طرحی گلدستوں میں جہاں جہاں کلام حفیظ منتشر تھا اس کو یکجا کیا گیا، چوتھے باب میں خطوط ہیں جو وسیم خیرآبادی، ریاض خیرآبادی اور مولانا قیام الدین بخت جونپوری کے نام ہیں، پانچواں باب متفرقات کے لیے مخصوص ہے، حفیظ جونپوری کی شاعری ہے تو طرز کہن کی پاسدار لیکن وہ خود کبھی کبھی یہ بھی کہتے ہیں کہ: شاعری کا ہے مزہ ایجاد میں، ایسے شاعر پر توجہ کیوں نہ ہو، جو بڑی معصومیت سے کہتا ہو کہ ؎

کھٹکتی ہے مرے دل میں اک شے خدا جانے کوئی کانٹا ہے یا دل

یہی کھٹک ان کو مولانا اشرف علی تھانوی کے آستانہ تک جس طرح لے گئی اس کی داستان ''مآل'' کے نام سے اس قدر دلچسپ ہے کہ کتاب میں کچھ نہ ہو تو یہی داستان قاری کے لطف ومدارات کے لیے کافی ہے، مانا کہ حفیظ اپنے اس ضرب المثل شعر کی وجہ سے زندہ جاوید ہیں کہ ؎

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

لیکن دل کی دنیا کو بدلنے کے لیے مرشد کی ایسی تلاش ان کو ارباب نظر کی نظر میں خدا جانے کتنی رفعت وقعت وعزت سے ہم کنار کر جاتی ہے، ایک خوبی تو سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ مرتب کتاب کا آبائی پیشہ جلد سازی ہے لیکن انہوں نے مقدمہ میں جیسی شستہ، رواں، سلیس، مربوط اور پر کیف تحریر پیش کی ہے وہ یہی ثابت کرتی ہے کہ یہ مشق سخن اور یہ پیشہ فن واقعی ان کی طبیعت کا طرفہ تماشا ہے، مصنف کے محلہ کا نام میر مست ہے لیکن ان کا یہ مقدمہ اور پھر سلیقہ ترتیب ان کے خدا مست ہونے کا اعلان کرتا ہے، اچھے تذکروں میں یہ کتاب ہمیشہ شامل رہے گی۔ (ع۔ص)

www.shibliacademy.org

رسید کتب موصولہ

اظہار واعتراف: ڈاکٹر آفاق فاخری، محلہ قاضی پور، جلال پور، ضلع امبیڈکر نگر قیمت ۱۵۰ روپے

شری کرشن سنہا: ترتیب جناب ظفر عبدالرؤف رحمانی، جناب صفدر امام قادری، فروغ ادب، رحمانی فاؤنڈیشن، بیلن بازار، مونگیر، بہار قیمت ۲۰۰ روپے

شیر شاہ سوری: جناب ظفر عبدالرؤف رحمانی، جناب صفدر امام قادری، فروغ ادب، رحمانی فاؤنڈیشن، بیلن بازار، مونگیر، بہار قیمت ۳۵۰ روپے

قصیدہ، اصل ہیئت اور حدود: پروفیسر ظفر احمد صدیقی، شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ قیمت ۳۰۰ روپے

مائناریٹی ایجوکیشن ان انڈیا: جناب عبدالوحید، سیریل پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی۔ قیمت ۸۵۰ روپے

مسلمس برادرز: آکوپیشنس اینڈ ایجوکیشنس، جناب عبدالوحید، سیریل پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی۔ قیمت ۴۹۵ روپے

مسلمس اینڈ ڈیولپمنٹ ڈیفیسیٹ، مائکرو ریلیٹیز ان اتر پردیش: جناب عبدالوحید، سیریل پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی۔ قیمت ۷۹۵ روپے

نقوشِ زندگی، خودنوشت جناب وکیل احمد انصاری: مرتب ڈاکٹر محمد انور حفیظ، انڈیا الخیر فاؤنڈیشن، محلہ کرار کوٹ، بلوا گھاٹ روڈ، نزد شاہی قلعہ گیٹ، جونپور۔ قیمت ۳۰۰ روپے

وفیات اطباء ہند و پاک: (جلد اول) حکیم وسیم احمد اعظمی، C-94، ابرابر گڑھ، وکاس نگر، لکھنؤ۔ قیمت ۱۹۴ روپے

وشودھرو ہر (ہندی): ڈاکٹر وائی، ایم، سلمانی، سلمانی ویلفیئر سوسائٹی، اعظم گڑھ۔ قیمت ۲۰۰۰ روپے

www.shibliacademy.org

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی و سید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-
موازنہ انیس و دبیر	250/-
اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	100/-
سفر نامہ روم و مصر و شام	200/-
کلیات شبلی (اردو)	220/-
کلیات شبلی (فارسی)	45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
مقالات شبلی دوم (ادبی) //	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) //	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) //	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) //	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) //	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) //	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری) //	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبد السلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول //	150/-
مکاتیب شبلی دوم //	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)	250/-

www.shibliacademy.org

www.shibliacademy.org

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
SEPTEMBER 2020 Vol - 206 (3)
RNI. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/022
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

دارالمصنّفین کی چند اہم مطبوعات

۱۔	سیر الصحابہ اول	حاجی معین الدین ندوی	300/-
۲۔	سیرت عائشہؓ	مولانا سید سلیمان ندوی	220/-
۳۔	حیات شبلی	مولانا سید سلیمان ندوی	650/-
۴۔	تذکرۃ الفقہاء اول	مولانا عمیر الصدیق ندوی	150/-
۵۔	مولانا ابوالکلام آزاد	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	240/-
۶۔	حکیم الامت۔نقوش وتاثرات	مولانا عبدالماجد دریابادی	400/-
۷۔	علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	180/-
۸۔	تاریخ اسلام (اول ودوم) مجلد	شاہ معین الدین احمد ندوی	370/-
۹۔	تاریخ اسلام (سوم وچہارم) مجلد	شاہ معین الدین احمد ندوی	500/-
۱۰۔	تاریخ دولت عثمانیہ اول	محمد عزیر (علیگ)	300/-
۱۱۔	تاریخ دولت عثمانیہ دوم	محمد عزیر (علیگ)	300/-
۱۲۔	تاریخ ارض القرآن (اول ودوم)	مولانا سید سلیمان ندوی	375/-
۱۳۔	تاریخ اندلس اول	سید ریاست علی ندوی	350/-
۱۴۔	تاریخ اندلس دوم	سید ریاست علی ندوی	220/-
۱۵۔	تاریخ اندلس سوم	سید ریاست علی ندوی	300/-
۱۶۔	مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت	محمد سعود عالم قاسمی	300/-
۱۷۔	عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات	ڈاکٹر علاء الدین خاں	380/-
۱۸۔	تعلیم عہد اسلامی کے ہندوستان میں	ظفر الاسلام اصلاحی	100/-
۱۹۔	آثارِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	500/-

www.shibliacademy.org